نادیہ رزاق

کس طرح چھوڑ دوں تمہیں

"باجی! دس روپے تو اور دیں۔ جیل روڈ سے دس ٹرن لگوا کے لے کر آئی ہیں۔"

ماہ نور کا دل چاہا کہ بھاٹی گیٹ کے گنبد اتار کے اس رکشے والے کے سر پہ دے مارے۔ تب ہی بادشاہی مسجد کے گنبد سے اذان عصر کی صدائیں گونجی تھیں۔ کبوتروں کا غول ایک ساتھ کسی سفر کو نکلا تھا اور دھندلا سا تھکا آسمان زرد سا ہوا تھا۔

"دس کیا میں تمہیں دو روپے مزید نہ دوں جو خواری تم نے ہماری کروائی ہے۔ تم تو موت کے کنویں میں رکشہ چلانے والے جاں باز ہو بھائی! کیوں یہ اندرون لاہور میں رکشہ اڑاتے پھرتے ہو۔ یہ جو اڑن طشتری ہے ناں تمہاری کسی دن......"

سارہ جمال نے اکتا کر رکشے والے کو دس روپے دیے اور والٹ بیگ میں رکھتی پلٹی۔ بابر حمام کے برابر وہ سفید سوگ کھڑی تھی۔ سارہ جمال کی ہر آہٹ بے آواز، گونگی ہوگئی۔ ہر جنبش فالج زدہ۔ دل...... وہ کسی سمندری گھاٹی میں جا گرا۔

"میں نے کہا تھا کہ شیک پی لیتے ہیں، تب تو تمہیں مرگی پڑ رہی تھی اور......" ماہ نور صفدر نے شال کو ماتھے تک پھیلائی، کپکپاتی سارہ کو بغور دیکھا۔

"کچھ ہوا ہے کیا؟" ماہ نور نے ہر طرف نظر گھمائی۔ سارہ کے قدموں کی سستی کسی طور کم نہ ہوتی۔

وہ مغلوں کے بسائے محلوں میں قدم بہ قدم

TAGPK.com

TAGPK.com

ناولٹ

چلتی۔ اونچے، روشن دومنزلہ گھر ...... لکڑی کی بنت کاری کی خوب صورت کھڑکیاں، بالکنیاں اور آگے کو نکلے چھجے۔ تنگ گلیوں میں سائیکلیں دوڑاتے بچے۔ کرکٹ کھیلتے نوجوان۔ پائپ لگائے فرش دھوتی ایک عورت دہلیز میں پیڑھی پہ بیٹھی، لہسن چھیلتی عورت اور اپنا بچہ چپ کرواتی ہمسائی کی گفتگو۔ ڈونگے میں حلیم اور شاپر میں نان لیے موٹرسائیکل سے اترتا جوان ریاضی کی جیومٹری سے ڈیزائن والے سوئٹر پہنے مسجد کو جاتے بزرگ اور بھنا بھٹہ بیچتا وہ ریڑھی بان......

سارہ جمال نے ہر شے میں وسوسے کو پایا...... خوف کو ڈھونڈا اور گھبراہٹ کو نگلا۔

ماہ نور پہلی گلی میں کہیں مڑ گئی۔ سارہ کا سفر گلی نمبر تین تک تھا۔ رانا نوردین خان کی حویلی کا دیوہیکل منقش دروازہ سامنے آ کھڑا ہوا۔ دل نے ایک ڈبکی کھائی۔

''میں تمہیں جینے نہیں دوں گا اور اس کے لیے تم مرنا نہیں چاہو گی۔''

''اللہ کرے وہ مر جائے۔ مر جائے وہ۔'' پانی سے آوازیں بلبلے بنائیں۔

''دیکھو، میں مر رہا ہوں۔'' وہ نیندی سسکی۔

''نکلو میرے گھر سے......''

اسے دھکا سا لگا تھا اور وہ پانی سے باہر حویلی کی دہلیز پہ کھڑی تھی۔ چوکور طرز پہ بنی حویلی میں سناٹا، محسوس کی جانے ولی پہلی چیز تھا۔ لوکاٹ کا درخت قیلولہ کرتے خاندان کو تھپکیاں دیتا اور بوگن ویلیا تنہائی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے خود سے مزید پھول جھاڑتا صحن بھرتا جاتا۔

سارہ جمال کے قدموں کی سستی جیسے دہلیز سے ہی واپس مڑ گئی اور اب وہ اوجھل ہوجانے کی چاہ میں قدموں کو برق رفتار کر رہی تھی۔ برآمدے سے گزرتے اس نے کئی آوازیں سنیں۔ چائے کی

پیالیوں کی کھنکھناہٹ، ماہ رخ اور اجالا کی کھلکھلاہٹ، بڑے ابا کے حقے کی گڑگڑاہٹ......

''او کوئی پتا کرو، کڑی ابھی تک گھر نئیں آئی۔'' دادا مخصوص لاہوری انداز میں سب کو گھر کتے۔

وہ بالائی منزل کی سیڑھیاں چڑھتے دائیں طرف مڑتی کمرے میں آکے وہ یوں سانس لیتی جیسے جنگ عظیم کا فوجی گھر واپس جا کر لے پایا ہوگا۔ سالوں بعد کی اطمینان کی سانس۔

اس نے شال اتاری۔ کھڑکی کھولی اور بستر پہ بے دم سی گری۔ جانے کتنے پہر گزرے۔ وہ بے سدھ لیٹی کھڑکی سے اندر آتی آوازیں سنتی رہی۔ بلال کے بفرز دھم دھم سے بجتے۔

''دیکھ تیرا کیا رنگ کر دیا ہے
خوشبو کا جھونکا تیرے سنگ کر دیا ہے''

''بدلحاظ تو تم ہمیشہ سے تھیں، اب تو بے حس بھی ہوگئیں۔'' ماہ رخ نے ٹھک سے دروازہ کھولتے کہا۔ پیچھے اجالا اور ماہم بھی تھیں۔

''بلال کو تو بند کرواؤ۔'' اجالا کی نازک مزاجی نے پہلا کام یہی کروایا کہ ماہ رخ کو کھڑکی سے تقریباً لٹک کر چیخنا پڑا۔

''بلال بھائی! مغرب ہونے والی ہے اور میں کب تک دادا کی لاٹھی ان سے چھپا سکوں گی بھلا۔''

''تمہیں یہ فکر کیونکر لاحق ہے کہ میں تمہارے ارطغرل دادا کی تلوار سے ڈرتا ہوں۔''

بلال نے چمک کر جواب دیا تھا۔ ہاں مگر لمحہ ضائع کیے بنا میوزک بند کر دیا تھا۔ اس مباحثے کے دوران سارہ، ماہم اور اجالا سے مل چکی تھی۔ اور اب وہ ننھے موسیٰ کے بال بگاڑتی اسے بے تحاشا چوم رہی تھی۔

''کڑھی......؟'' ماہ رخ کھانا لائی تو وہ بدمزہ ہوئی۔

''مہمان آئے ہیں، کچھ اچھا بنا لیتیں۔'' جانے کیوں یہ بات کسی کو دیکھے بنا مدھم آواز میں کی۔

''مہمان...... یہ دونوں؟ رہنے دو محترمہ! یہ فرمائشی ڈش ان دونوں کی ہی وجہ سے بنی ہے۔ اور وہ تیرا مہمان...... وہ کہیں مدعو ہے۔ ورنہ پہلوان جی نے صبح سے پائے چڑھوا دیئے تھے چولہے پہ۔''

یہ ماہ رخ بھی ہر بات کا مفصل جواب دینا فرض سمجھتی ہے جیسے۔ وہاں کھڑے بیٹھے سب نے سارہ کی جھکی نظروں اور خاموش زبان کا پاس رکھا تھا۔ مزید کوئی بات نہ ہوئی۔

''تم لوگوں نے اچانک پروگرام بنا لیا تھا کیا؟ بتایا ہی نہیں، میں چھٹی کر لیتی۔'' واش روم سے ہاتھ دھو کے نکلتی وہ سر جوڑے بیٹھی بہنوں سے کہتی۔

''ہمارا خود بھی ارادہ نہ تھا۔ وہ تو گوہر کا صبح فون آیا تھا کہ لینے آئے گا۔ اس کی پروموشن ہوئی ہے ناں اور کوئی دوست بھی آنے والا ہے آج اس کا گھر تو۔''

پھر سے خاموشی۔

''تم لباس تبدیل کر لو۔ مہمان آئے تو نیچے آجانا۔ ہم چلیں، ای سے گاجر کا حلوہ بنوانا ہے۔ صبح سے صبیحہ کو بلوا رکھا ہے۔ ابھی تک کام ختم نہیں ہوا۔''

''ہاں چلو، میں بھی آتی ہوں کچھ دیر میں۔''

کمرہ خالی ہوگیا تھا۔

وہ کھڑکی میں بڑھتے اندھیرے کو دیکھتی رہی۔ تادیر۔

☆☆☆

''اس کے بال بہت خوب صورت ہیں ناں اور ناک بھی۔''

کھلکھلاتی اور رونق بکھیرتی اس مہمان لڑکی نے سارہ کو دیکھ کر یہی کہا اور پھر سے ماہ رخ کے ساتھ مصروف ہوگئی۔ سارہ نے ترچھا ہو کر کھڑکی سے باہر کا اندھیرا ماپا۔ ہاں کیسا گھپ سا اندھیرا تھا۔

''فروری کا آخیر ہے مگر ابھی بھی موسم اچھا خاصا سرد ہے۔ یہ کھڑکی تو بند کر دو براہ مہربانی......'' برطانوی لب و لہجے میں انگریزی بولتی اس خوب صورت لڑکی نے ماہ رخ سے فرمائش کی۔

TAGPK.com

''نہیں پلیز میرا دم گھٹتا ہے۔'' سارہ کی منت نے ماہ رخ کو زرد سا کیا۔ ''سارو جانتی ہے کہ میں کھڑکی بند نہ کروں گی۔ کیا اسے ہم پہ اعتبار نہیں رہا۔''

ماہ رخ خاموش سی واپس جا بیٹھی۔ پھر وہ سب نیچے چلے گئے اور کمرہ پھر سے خاموش ہو گیا۔ وہ تا دیر سامنے دیوار پہ بنے اس آرٹ کو دیکھتی ہی جس میں ایک سیاہ کلاک کے اندر سے نکلی پری کی چھڑی سے ستارے اور تتلیاں جھڑتی تھیں۔ ہاں مگر وہ پری اندر سے بالکل خالی تھی جیسے بے روح۔

نیند کی گولی کھاتی سارہ جمال کی آنکھیں اس قدر خشک تھیں کہ کوئی دیکھ لے تو پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔ ''تم کھا گئے مجھے، یہ دیکھو یہ میرے جسم پہ پڑے نیل۔ تم مر کیوں نہیں جاتے...... ہاں......'' وہ اس کی طرف لپکی تھی۔ سارہ کے جسم کو جھٹکا لگا۔ ٹرن کو لائزر کا پہلا پرا اثر ظاہر ہوا...... خوفناک خواب، آنکھیں پھر بند ہو گئیں بوجھ سے۔

اس خواب میں وہ ہنس رہی تھی اور وہ اس کے کان کے قریب سحر سا پھونکتا......

''مجھے ہمیشہ تمہارے ساتھ ہی ہنسنا ہے ذی۔''

پھر وہ پاگل سا ہوا اسے جھنجھوڑتا۔ دوسرا جھٹکا لگا اور وہ مکمل بیدار ہوئی تھی۔ اس کا چونک کے اٹھنا، پسینے سے بھرا چہرہ، گردن اور تیز چلتی سانسیں۔ ماہ رخ فوراً اس کی طرف آئی۔

''کیا وقت ہوا ہے؟'' اس کا دیا پانی پی کے اس نے پوچھا۔

''تین بج گئے ہیں۔''

''مہمان چلے گئے؟ تم سوئیں نہیں؟'' چہرے پر ہاتھ پھیرتی وہ پوچھتی۔

''ہاں چلے گئے مہمان۔ ماہم اور اجالا ابھی کچھ دیر پہلے نکلی ہیں۔ ان کا ڈرائیور اسلام آباد سے ابھی پہنچا تھا۔'' ماہ رخ بستر پہ چت لیٹ گئی۔

سارہ نے فون اٹھایا۔

''تم نے پھر سے نیند کی گولی لی ہے؟'' سارہ کا ہاتھ تھما۔

''بے خوابی سے اچھے ہوتے ہیں برے خواب۔'' ماہ رخ سے کچھ بولا نہ گیا۔

سارہ کا فون تھرتھرانے لگا تھا۔ وہ سننے کو باہر نکلی برآمدے میں رکھی کرسی پہ بیٹھی۔ کوئی انجان نمبر تھا۔ جانتی تھی نہ اٹھایا تو ساری رات اور اگلے کئی دنوں یہ فون بجتا ہی رہے گا۔

میرے خواب لوٹا دو

نگہت عبداللہ

قیمت -/400 روپے

کسی راستے کی تلاش میں

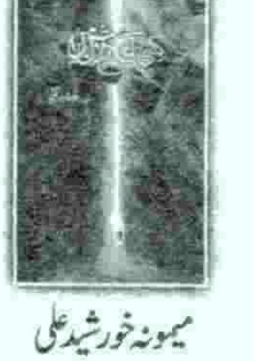

میمونہ خورشید علی

قیمت -/350 روپے

اُجالوں کی بستی

فاخرہ جبیں

قیمت -/400 روپے

ایک میں اور ایک تم

تنزیلہ ریاض

قیمت -/350 روپے

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37، اردو بازار، کراچی

فون نمبر: 32735021

''میں نے سوچا، معلوم کروں۔ کہیں پیروں میں گھنگھرو باندھے عشق کو منانے کی نوبت نہیں آ گئی۔'' وہی آگ سا لہجہ...... انگاروں سی بات اور وہ بے بسی سے لوکاٹ کے پیڑ میں گم ہوئی روشنی تلاشتی رہی۔

وہ کتنی ہی دیر خاموش رہا۔ یوں کہ سارہ کو لگا لائن کٹ گئی ہے۔

''تمہیں مجھ پہ تو کیا خود پہ بھی ترس نہیں آتا سارہ جمال راجپوت! تم کو صحرا ہونے پہ بھی اعتراض نہ رہا؟ تم کو خزاں کے دائم ہونے پہ گلہ نہیں؟ تمہیں یادداشت کے بیوہ ہو جانے کا ابھی تک انتظار ہے؟'' لوکاٹ کے پتے سرسرانے لگے اور چڑیا کا گھونسلہ ہلکورے کھانے لگا۔

''جانتی ہو، موت ایک ہی بار کیوں آتی ہے؟ بار بار آئے تو قیمت کھو دیتی ہے۔ اپنا لرزا بھی گروی رکھ دیتی ہے اور جانتی ہو...... مجھے وہ ایک بار والی موت آ چکی۔ قیمت ختم...... لرزا ختم...... اور اب تمہارا ہر سکون ختم اور وہ گوہر کمال بھی ختم۔''

فون سے مدھم گھنٹی کی آواز آتی رہی اور وہ چپ چاپ برآمدے کی کرسی پہ بیٹھی رہی۔ برآمدے کے وسط میں سیڑھیاں نیچے کو جاتی تھیں۔ ان سیڑھیوں سے بائیں طرف...... بائیں طرف کے ایک کمرے سے آوازیں گونجیں۔

☆☆☆

''یہ چھٹی سگریٹ ہے یار! بند کرو یہ کارخانہ۔'' شازم نے اس کے ہاتھ سے سگریٹ لے کر ایش ٹرے میں مسلی۔ کندھے سے تولیہ اتار کر بال رگڑے۔

''بچی اچھی تھی آج والی۔ کہاں سے ملی؟'' آئینے کے سامنے ہوتا وہ پیچھے نظر آتے عکس سے پوچھتا۔

''کون......؟ آئینہ؟ کیرسٹر ذکاء کی سالی ہے۔ ہائی کورٹ میں جائیداد کا کوئی مسئلہ چل رہا ہے خاندانی۔ لندن سے آئی ہے۔ ذکاء نے کہا تھا مجھ سے مدد کرنے کا۔'' وہ کسلمندی سے تکیے اپنے دائیں بائیں ترتیب دیتا۔ فون دیکھنے لگتا۔ کچھ دیکھ کر اٹھتا۔ پھر سوچ کر لیٹ جاتا شازم بالوں کو انگلیوں سے سیٹ کرتا اسے دیکھتا۔

''پھر کیا سوچا ہے تم نے؟ ڈی ایس پی کی ٹریننگ پوری ہوگئی۔ سیٹل ہوگئے۔ اب؟'' شازم اس کے برابر میں آ کے پوچھتا۔

''مجھے خلیل کو ہی مل لینا چاہیے تھا۔ نیند تو آنے نہیں والی۔'' شازم خاموش سا ہو جاتا۔

''اب بس کر دے گوہر۔ یہ سب......''

''جانتے ہو، میں اس گھر میں کیوں نہیں رہتا؟ کیونکہ میں چند سال مزید جینا چاہتا ہوں اور یہ سوالات اور فکریں میری عمر کھا جائیں گی۔''

وہ اس قدر سرد مہری سے بولا تھا کہ پورا کمرہ کہر زدہ ہو گیا۔ وہ تکیہ منہ پہ جمائے لیٹ گیا اور شازم جانتا تھا کہ یہ گھر اس کی عمر ہی نہیں، اس کی نیند بھی کھا گیا ہے۔ گوہر کمال راجپوت اس گھر میں کئی سالوں سے سو نہیں پایا تھا۔ ہنس نہیں پایا تھا۔ گھوم نہیں پایا۔ بیٹھ نہیں پایا تھا۔ کچھ دیکھ تک نہیں پایا تھا۔

وہ جو لوکاٹ میں ہلکورے لیتا ہے ناں
برسوں پہلے
وہ اندھیرا دلوں سے ہی پھوٹا تھا
وہ اندھیرا دل ہی ہو گیا تھا

☆☆☆

اگلے دن وہ بے تحاشا سوجے پپوٹے دباتی۔ آنکھوں میں پانی کے چھینٹے مارتی۔ تادیر کمرے سے نہ نکلی۔

''یہ خود ساختہ نظر بندی کب ختم ہو رہی ہے تمہاری؟'' شازم کا تروتازہ چہرہ کمرے میں جھانکتا۔ اسے دیکھ کے ٹھٹکا۔

''میں آئس کیوبز لاتا ہوں۔'' اگلی بات اس نے یہی کی تھی۔ کچھ دیر میں ماہ رخ لپک جھپک اندر آئی۔ آئس کیوبز کا باؤل اسے تھمایا اور یونیورسٹی بیگ لے کر باہر نکل گئی۔

"ماہ رخ! مجھے ہاسپٹل جانا ہے یار۔" وہ پیچھے کہتی۔

"ہاں تو......؟" ماہ رخ مڑ کے دیکھتی۔

"جلدی کرو۔ دس بج گئے ہیں۔ ابا تو کب کے نکل گئے۔ ورنہ ڈراپ کر دیتے تمہیں۔" وہ کلائی پہ گھڑی باندھتی۔

"کیا میں نیچے...... آجاؤں؟"

"حد ہے سارہ......" یہ اس کی چھوٹی بہن تھی۔ پر اعتماد، روشن سی۔ سارہ جمال کی آنکھیں برف کی ڈلی تلے بھیگ بھیگ جاتیں۔

گیارہ بجے تک وہ نیچے اترتی تھی۔ چہرہ سیاہ شال میں چھپائے لیدر بیگ سنبھالتی وہ تیزی سے باہر نکلتی۔

"السلام علیکم دادا جی......" اخبار پڑھتے نور دین راجپوت شفقت سے مسکرائے۔

"السلام علیکم تایا جی۔"

"ہسپتال نہیں گئیں آج؟" تایا جی اپنے مخصوص جملوں میں سے ایک کا استعمال کرتے۔

"جی بس نکل رہی ہوں۔"

"کہاں نکل رہی ہو۔ امی کہہ رہی ہیں، ناشتہ کروا کر۔" شازم رسوئی کی کھڑکی سے تان لگاتا۔

"مجھے دیر......"

"سارہ......!" بڑی امی کی تنبیہی آواز پہ وہ چیختی مگر گھر سے باہر نہ نکل پاتی۔ امی پراٹھے تل رہی تھیں۔ بڑی امی نہاری چڑھا رہی تھیں۔

بوا پستہ بادام کاٹ رہی تھیں۔ اسے دیکھتے رخ بدل کے بیٹھ گئیں۔ وہ میز پہ شازم کے مقابل بیٹھی جو گاجریں کش کرتا بڑبڑاتا رہتا۔ بھابھی چھوٹے ابراہیم کو انڈہ کھلا رہی تھیں۔

"اماں! یہ بھی صبیحہ سے کروا لیتیں ناں آپ۔ آپ کے لاڈلے نے بنا شکریہ کہے سارے ٹفن لے جانے ہیں اور میں...... میں جو سالوں سے گاجریں کش کر کر کے اپنی انگلیاں گھسا رہا ہوں، مجھے تو کبھی جھوٹے منہ ایک شرٹ تک خرید کر نہیں دی اس نے۔ الٹا جب بھی آتا ہے میری شرٹس پہن کے ڈھیلی کر جاتا ہے وہ پہلوان کا پوتا۔ میرے تو سر کے بال تک سفید ہو گئے اس کی خدمتیں کرتے۔ باقی چاروں تو اس سے جان چھڑائے نوکریوں میں مصروف ہیں۔ رہا میں تو مجھے آپ نے گوہر کمال راجپوت کا نوکر بنا چھوڑا ہے۔ میں بتا رہا ہوں اس سے کہیں میری کوئی شرٹ نہ پہنے......"

صبیحہ نے سارہ کے سامنے ناشتہ رکھا تھا جب۔

"اماں! ناشتہ کروا دیں۔" اس پکار نے ہر شے صفا چٹ کر دی۔ سفید چادر۔ وہ ہڑبڑا کے اٹھی۔ ہر ایک متوجہ ہوا۔

"میں نے کہا تھا...... مم...... مجھے ناشتہ نہیں کرنا۔" بوا نے ہونہہ کیا۔

وہ کچن سے باہر نکل گئی۔ سیڑھی کے دوسرے زینے پہ کھڑا۔ ریلنگ تھامے وہ دادا جی سے کچھ کہہ رہا تھا۔ وہ بجلی کی تیزی سے باہر نکلی تھی۔ فرحانہ جمال کی آنکھیں نم ہوئیں۔ عائشہ کمال کی گردن جھک سی گئی۔ شازم کے ہاتھ ساکت رہ گئے۔ بوا چونک کے اٹھیں۔

"میرا بچہ ناشتہ مانگتا ہے۔ میں ذرا اسے دیکھ لوں۔"

"اس نے دیکھ لیا مجھے۔ خدایا!" بھائی گیٹ کو جاتی گلیوں کے راستے مڑتے وہ اونچے جھروکوں، بجلی ٹیلی فون کے تاروں بھری گلیوں کی چھت کو دیکھتی۔ کسی چبوترے پہ بیٹھ جاتی۔

"نہیں، وہ مجھے کبھی نہیں دیکھتا۔ اسے میں کبھی نظر نہیں آئی۔" وہ مندر گلی کے سناٹے میں رک جاتی۔

"ہاں مگر میں نے اسے دیکھ لیا۔" وہ مندر گلی کے تھڑے پہ بیٹھی۔ اس کا دل مندر کی گھنٹی سا مسلسل بجتا رہا۔

"میں نے دیکھ لیا اس کے ماتھے کی لکیر کو۔ گال کے تل کو گھنے بالوں اور ناراض آنکھوں کو......"

"خدایا...... وقت میرے لیے عادل کیوں

TAGPK.com

نہیں۔ یہ مجھے اپنی گلیوں کا سودائی رکھنے پہ کیوں مائل ہے؟ یہ مجھے آزاد کیوں نہیں کر دیتا کچھ لمحوں، کچھ رشتوں اور کچھ حادثات سے۔"

اس سے کوئی نہ کہتا کہ دوپہر بھی ڈھل جانے کو ہے۔ سرما کے دن کسی جلدی میں پڑے تھے۔ اس کا فون مسلسل بجنے لگا تھا۔

"جی ابا جی! میں گھر پہنچنے والی ہوں۔ آپ ہاسپٹل مت آئیے گا۔" فون بند کرتے وہ مندر کو جاتی تنگ و تاریک پراسرار گلی کو تکتی۔

یہ جو مندر کا سناٹا ہے ناں
یہ گواہ ہے اس سچ کا
کہ بے مقام ہونا
دیوتاؤں کو بے وقعت کر دے

☆☆☆

"دادا جی نے تمہیں نیچے بلوایا ہے۔" ماہ رخ جوابات سے بچنے کو فقط پیغام ارسال کرتی بھاگ نکلی۔ سارہ کا دل ہوا سا ہلکا ہوا۔

نوردین راجپوت کے دالان میں اکھاڑہ سجا ہو جیسے۔ سارہ جمال کے قدموں سے زمین بندھ گئی ہو جیسے۔ وہ بوجھ اسے پیچھے دھکیلتا۔ تو کیا اس دن کے لیے تھی اتنی تگ و دو...... سالوں کی اسیری، زمانوں کی دربدری۔ کوئی اس سے حشر کے معنی پوچھتا۔ کوئی اس سے سزا و جزا متعین ہونے تک کا دھڑکا پوچھتا۔ دہلیز پہ کھڑے ہو کر اس نے فقط اپنے باپ کے سنگلاخ چہرے کو دیکھا۔ دادا جی کے فیصلہ کن انداز اور...... دادا کے دائیں جانب بیٹھے اس شخص کو ہرگز نہ دیکھا۔

"ادھر بیٹھ پتری۔" پہلوان جی نے ذرا کھسکتے اپنے تخت پہ جگہ بنائی۔ وہ افریقی غلاموں سی مدقوق اور تابعدار دکھتی۔ وہ گردن نہ اٹھا پائی۔ فقط سامنے بیٹھے شخص کے پیروں کی انگلیوں کو اضطراب میں ہلتے دیکھتی رہی۔

"میرے باپ کو پہلوانی بڑی پسند تھی۔ بیٹے کو کرتے دیکھتا تو للکار کے دہلی دروازے کا برج تک ہلا دیتا کہ دیکھو کیسا جوان پتر پیدا کیا اے۔ میری بہنوں کی ساری دیہاڑی لسی بلوتے، چوریاں بناتے گزر جاتی۔ ماجھے قصور تک سے لوگ دیسی گھی بھیجتے۔ پینسٹھ کی جنگ میں ہمارے جیسوں کو وردیاں پہنا کر دشمنوں کو فوٹو دکھائی جاتیں کہ دیکھو یہ دھرتی مردوں کی نہیں شیروں کی ہے۔ انھتر سال کی عمر ہے میری۔ عینک نہیں لگاتا۔ پانچ وقت چل کے بادشاہی مسجد جاتا ہوں۔ کبھی کبھی تیرہ کے تیرہ بازار گھوم آتا ہوں مگر تم لوگوں نے اسی صحن میں میری قبر کھود دی ہے۔ روز مجھے تھوڑا تھوڑا سا ڈال دیتے ہو اس میں۔ کوئی کار (گھر) نہیں آتا سالوں سے...... میں قبر کے اندر۔ کوئی زبان کے تیر مار مار کے میرے پیدا کیے کا دل چھیلتا ہے میں قبر کے ہور اندر۔ کوئی بیلوں پہ لگتا پھول نہیں دیکھتی۔ میں قبر ہی ہو گیا ہوں۔ اس کا منہ دیکھتا ہوں تو وہ ادھر کر لیتا ہے۔ ادھر دیکھتا ہوں تو کسی اور طرف کی راہ دکھا دی جاتی ہے۔ او میں نے دیسی گھی، چوریاں اور پہلوانیاں یہ کل کے پیدا بچوں کے ہاتھوں ذلیل ہونے کو کھائی تھیں؟ او مجھے ایک ہی وار میں اس قبر میں ڈال کے مٹی پاؤ اور ساری عمر ایک دوجے سے پٹھ کیے گزار دو۔"

خاموشی کی طوالت نے بھی کسی کو پہلو تک بدلنے نہ دیا کہ پہلوان جی کی آواز کی گرج ابھی تک گونج رہی تھی دالان میں۔ انگیٹھی پہ رکھی جوانی کی تصویر کا سینہ فخر سے پھیلا۔ انگیٹھی کے کوئلے آنکھیں موندنے لگے تو پہلوان جی پھر سے بولے۔

"کرو آج فیصلہ، ابھی کرو۔ یہ نہ سوچنا کہ بڈھا کوئی فیصلہ دل پہ لے گا۔ اپنی مرضیاں کرو۔ مگر اس بن باس کو ختم کرو۔" جھکے سر جھکے رہے مگر ہاں۔ دھڑکنوں نے ہولنا شروع کر دیا تھا۔

"پروفیسر جمال نور راجپوت! جناب آپ کریں فیصلہ۔ ہر راہ کھلی ہے۔ دوڑاؤ عقل دا سکوٹر۔"

جمال نوردین کلف ہوئے بیٹھے تھے مگر باپ نے وہ سلوٹیں ڈالیں کہ چرمرا سے گئے۔

"آپ بتائیں دربدر صاحب؟ کیا کیا جائے؟" وہ گوہر کمال سے مخاطب ہوئے۔ گوہر کمال

TAGPK.com

نے ہتھیلیوں کو باہم جوڑ دیا۔

"جو چچا کہیں گے، مجھے منظور ہوگا۔"

"پھر ہتھیلیاں کھول دو۔ کیوں قید کر رکھا ہے کسی کی سانس کو۔" کوئی خاموش سا مکالمہ چلا تھا۔

"میرا فیصلہ...... بات میرے فیصلے کی ہے ابا جی؟" جمال صاحب کسی قدر آگے کو جھک آئے۔ سارہ جمال لٹھے سے بھی زیادہ سفید پڑ گئی۔

"میرا فیصلہ تو آج سے سات سال پہلے ہی قائم ہو گیا تھا۔ یہ تو آپ کی ضد......"

"بہت سے دل بجھے گوہر ہتھیلیاں مت کھولنا۔" وہ جیسے کراہی۔

"میری بیٹی کوئی ریڑھی پہ بکتا خربوزہ نہیں کہ چکھنے کو کاٹ لیا جائے۔ پھیکا ہو تو کٹے ہوئے کو چھوڑ کے آگے نکل جایا جائے۔"

ایک تند سی حقارت تھی جمال صاحب کے لہجے میں۔

عائشہ بیگم کے پہلو میں درد اترا۔ انہوں نے بیٹے کے جھکے سر کو وزن سے دبتے دیکھا۔ کمال نور راجپوت جیسے کہیں موجود نہ تھے۔ احد بھائی اپنے چھوٹے بھائی کے بولنے کے منتظر تھے جیسے۔

"میری طرف سے یہ معاملہ کب کا انجام پذیر ہو چکا۔"

لوکاٹ پہ بیٹھی، چڑیا نے شور سا مچا دیا۔ جیسے اس کے گھر پہ آفت آن پڑی ہو۔ خاموشی میں بھی کوئی اس کی فریاد نہ سن پایا کہ ہر کسی کے اندر ٹھاٹھیں مارتا دکھ جمع تھا۔

پھر وہ آہن ہوگر اٹھ کھڑا ہوا۔ سارہ جمال نے اس کی بند مٹھی کو کھلتے دیکھا تھا۔

"اسے مت کھولو خدارا......!" وہ کراہی۔

"میری طرف سے بھی ہر معاملہ انجام پذیر ہوا۔ جب بھی جدھر بھی میرے دستخط چاہیے ہوں میں حاضر ہو جاؤں گا۔"

دو جملوں میں اس نے کمال نوردین کے ہر لاوے پہ گلیشئر گرا دیا تھا۔

سارہ جمال نے گہرے ہوتے اندھیرے کو جھٹکتے ہوئے اس کی مٹھی کو دیکھا جو دوبارہ بند نہ ہو سکی۔ وہ قدم اٹھاتا دالان سے نکلا تھا۔ اور پہلی سسکاری عائشہ کمال کی گونجی تھی۔ سارہ جمال کے اندر سے بغاوت ہوئی۔ وہ باپ کے پرسکون پڑتے چہرے سے وحشت کھاتی دیوانہ وار بھاگتی اس میدان حشر سے نکلی تھی۔

لوکاٹ سے چڑیا کا گھونسلہ ننگی فرش پہ آ گرا تھا۔ چڑیا کی آواز میں بین تھے۔ وہ سیڑھیوں سے بائیں طرف مڑی تھی کہ آج بھی دائیں طرف والا آسیب اسے اتنا ہی ڈراتا تھا۔

☆☆☆

یہ موسم ملنے کا ہے
پھولوں کے کھلنے کا ہے

"وہ نہیں سنبھلے گی۔" فرحانہ جمال نے شوہر کو چائے پیش کرتے جھجک کر کہا۔ وہ جھجک جو شوہر سے کم تعلیم یافتہ، کم شکل بیویوں کے لہجے میں ان کے برے رویے سے پیدا ہوتی ہے۔

"اور کوئی راہ نہیں، خود سے دشمنی کی ایسی مثال ہماری بیٹی ہی کیوں قائم کرے۔" روشن دانوں سے، جھروکوں سے اندر آتی روشنی کو اعتراض ہوا اس مرد کے لہجے پہ، موقف پہ۔

"مجھے ڈر لگتا ہے۔ وہ پھر سے......"

"پھر سے کچھ نہیں ہوگا بیگم! یونہی تو میں نے اس لڑکے کو نرمی نہیں دکھائی۔ معظم صاحب کو جلد ہی آنے کا کہتا ہوں میں۔ ان کا سول سرونٹ بیٹا، ہماری بیٹی کے ہر زخم پہ فخر لگا دے گا۔"

"سارہ......" ماہ رخ نے پریشانی سے دیکھا۔

وہ ساکت پڑی تھی۔ کمرہ تلپٹ تھا۔ کھڑکی بند۔

"سارو......" ماہ رخ کی آواز بھرائی۔ اگر ابا اپنے ہاتھوں سے کھڑکی بند نہ کرتے تو وہ بہن کو کچھ الفت بھی دکھا دیتی۔ مگر وہ جانتی نہ تھی سارہ جمال کو بند کھڑکی نہیں کھلی ہتھیلی کا درد تھا۔

"سارو......"

TAGPK.com

''کچھ نہیں ہوا مجھے۔ زندہ ہوں۔''

یہ دو دن میں اس کا پہلا جملہ تھا۔ ماہ رخ کی آنکھیں آبشار ہو گئیں۔ وہ اٹھ بیٹھی تھی۔

یہ موسم ملنے کا ہے
پھولوں کے کھلنے کا ہے

سارہ جمال نے پلنگ سے اترتے ایک موٹی انسائیکلوپیڈیا ہاتھ میں تھامی تھی۔ ماہ رخ کے رخ موڑنے تک وہ کھڑکی کھول کے انسائیکلوپیڈیا بلال کے سر پہ مار چکی تھی۔

''تمہیں کس نے کہا ہے کہ موسم ملنے کا ہے۔ ہاں؟ بند کرو اس کفر کا منہ...... یہاں کوئی ملنے والا نہیں۔ تمہیں اندھیر انظر نہیں آتا۔ تمہیں چڑیا کے بین سنائی نہیں دیتے۔''

ماہ رخ نے اسے کھینچتے ہوئے کھڑکی بند کی، تب تک گلی کے کل سات لوگوں نے اس کا ہذیانی انداز اور بلال کا نشانہ زدہ کندھا دیکھ لیا تھا۔ فرحانہ تیزی سے کمرے میں آئی تھیں۔ وہ دھاڑ رہی تھی۔

''بند کروائیں اسے۔ یہ چپ کیوں نہیں ہو رہا۔'' فرحانہ نے اسے سینے سے لگایا تھا۔ وہ تھم گئی تھی کتنی دیر وہ ماں سے لپٹی رہی۔

''میں ٹھیک ہوں امی! بالکل ٹھیک۔'' وہ پیچھے ہٹ کے بال سمیٹنے لگی۔

''میں ہاسپٹل جا رہی ہوں۔ بس کچھ دیر ہو گئی۔'' وہ رخ موڑ کے وارڈ روب سے کپڑے نکالنے لگی۔ تیار ہو کے نیچے اتری تو اس نے بوا کا پرسکون انداز دیکھا۔ نظریں چرائیں، نڈھال سے لیٹے پہلوان جی کو سلام کیا اور عائشہ کمال کی بے تحاشا سوجی آنکھیں نظر انداز کرتی گھر سے نکل آئی۔

وہ جو قصے کہانیوں میں ہوتا ہے ناں
وہ کوئی درد نہیں ہوتا
بھلا درد بھی کوئی قصہ ہوتا ہے

☆☆☆

''یہ میرے گوہر والی ہے۔''

اسے بڑی امی کا کروایا تعارف یاد تھا۔ وہ ہر کسی کے سامنے بازو پکڑ کر آگے کر دیتیں اور محبت سے دیکھتے کہتیں۔ وہ میکانکی انداز میں بال جھکتی پڑے ہو کر بیٹھ جاتی اور شامی کباب کو دیکھنے میں توانائیاں صرف کر دیتی۔ مگر یہ بچپن تھا۔

''یہ میرے گوہر والی ہے۔''

جوانی میں داخل ہوتی وہ یہ سن کر ساکت ہوئی تھی۔ شاید کوئی بہت نیا مہمان آیا تھا جسے از سرنو بتایا گیا تھا ورنہ تو دوست احباب، گلی محلہ، خاندان، برادری ہر کوئی جانتا تھا کہ وہ گوہر والی ہے۔

''گوہر...... کون سا......'' لڑکی کو بغور دیکھتے نئے مہمان نے سات لڑکوں کو بھی نظر غائر پر کھ لیا۔

''میرا تیسرا بیٹا ہے۔ یہ موحد سے چھوٹا۔ بڑا یہ احد ہے۔ سی اے کیا ہے اس نے۔ جاب بھی ہو گئی ہے۔ دو چھوٹے ابھی انٹرمیڈیٹ میں ہیں۔'' بڑی امی کو اپنے پانچ بیٹوں سے گویا عشق ہو۔ انہیں کبھی بیٹی کی حسرت نہ رہی کہ دیورانی بہن کی بیٹیاں جو تھیں ان کے پاس۔

''جمال بھائی کا بیٹا نہیں ہے ناں؟'' مہمان نے شامی کباب کا ٹکڑا کاٹنے میں پھنسایا۔

''نہیں، جمال بھائی کی تین بیٹیاں ہی ہیں۔ یہ بڑی عاہم ہے۔ اور وہ چھوٹی ماہ رخ۔ سارہ سے تو مل ہی چکی ہیں بھابھی۔'' پھوپھو نے فرحانہ کے حصے کے جملے بولے تھے۔

''اور نگہت باجی! آپ کے خاوند کا تو افسوس ہی بہت ہوا ہمیں۔ اتنی چھوٹی عمر آپ کی اور بیوگی۔ بھائیوں نے بھی قرض اتار دیا محبت دینے کا۔''

''اللہ کا شکر ہے۔ بہت نیک بھائی ہیں میرے۔ بس گزر رہی ہے۔'' پھوپھو نے آہ بھر کر سب کو اداس کیا۔ اجالا اندر آئی تھی۔

''فائزہ! یہ ہے میری اجالا۔ وہ دو چھوٹے بیٹے ہیں ازمیر اور عمار۔ اجالا! شاہ میر نہیں آیا ابھی تک؟'' پھوپھو اپنی لندن پلٹ خالہ زاد کو ہر بچے سے ملوانا چاہتیں جبکہ بچے، بیزاریت چھپائے بیٹھے تھے۔

''سارو...... بھاگ کے بھائی کو بلوالاؤ۔''

ڈرائنگ روم کے داخلی دروازے کے قریب بیٹھی سارہ کو حکم دیا گیا۔ وہ ٹھہری پانی صفت، پارہ صفت۔ دھڑ دھڑ کرتی وہ دالان سے بھاگ نکلی۔

وہ سیڑھیوں سے اترتا دکھائی دیا۔ وہ جو سورج سا تھا، روشن، تابناک اور شہنشاہی کے قابل۔ نفیس لباس، امراء سی شکل وصورت، نوابوں سا رکھ رکھاؤ۔ وہ کلائی موڑ کے وقت دیکھتا تھا۔ اور وقت گھوم گیا تھا۔ لکھی تقدیر کو للکارسی ہوئی تھی۔

''شاہ میر بھائی! پھوپھو ڈرائنگ روم میں آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔'' وہ مڑی، کلائی سے ہی چونکا اور دو سیڑھیاں نیچے کھڑی اس لڑکی کو دیکھا۔

وہ جو لوکاٹ پہ چپ چاپ اگ آیا تھا ناں
وہ کوئی کونپل نہ تھا
وہ سرطان ساجذبہ تھا

''کیوں؟'' تیزی سے مڑتی اس لڑکی کو روکنا جانے کیوں ضروری سا لگا۔ وہ رک گئی۔ دو قدم نیچے رکھتا وہ اس کے مقابل آیا۔ یوں کہ لڑکی نے لکڑی کی منقش ریلنگ پہ ہاتھ رکھ کے خود کو دور کیا۔

''وہ...... وہ آپ کی رونمائی کرانی ہے ناں سمیعہ آنٹی سے۔'' کھلکھلاہٹوں کے اچانک بے موقع وارد ہونے کی عمر تھی مگر مقابل کے رونگٹے تھرتھرا گئے۔ ویران پڑے صحن میں وہ کھلکھلاہٹ یہاں وہاں ٹہلتی رہی۔

''تمہاری ہوگئی رونمائی؟'' گہری سانس بھر کے وہ نیچے اترنے لگا۔

''یہ ہے میرے گوہر والی...... بکواس۔'' وہ لوکاٹ کا سرطان زبان سے اگل گیا تھا۔ لڑکی کو بہت برا لگا تھا۔ کیونکہ اسے اپنے تعارف کا یہی حصہ تو پسند تھا۔

''شاہ میر بھائی بہت برے ہیں۔'' لڑکی نے پہلی بار اس سورج کو آنکھیں جھپک کے دیکھا تھا۔ پہلی بار میں ہی چندھیا گئی تھیں۔ اسے وہ اچھا نہیں لگنے والا تھا...... شاید۔

☆☆☆

''کیا آج ہم یہی بکواس سننے والے ہیں؟'' ماہ نور نے دبی آواز میں کہا تھا۔ آواری کے پُرتعیش کانفرنس ہال میں سجے اس سیمینار کا موضوع، صوتی الفاظ کا کامرس سے تعلق تھا۔

پایہ ناز ماہر نفسیات دنیا کی جانے کون کون تحقیقاتی رپورٹس پڑھ رہے تھے۔ جبکہ وہ تو بھائی گیٹ کی اس ماربل والی حویلی میں اپنا تعارف کروا کے لوٹی تھی۔

''ماہ نور! ہم لیٹ ہو رہے ہیں۔'' عصرانہ اڑاتی ماہ نور کو ہر دو منٹ بعد وہ جھنجھوڑ کے کہہ دیتی مگر وہ تین گھنٹوں کا بدلہ پورا کرنے بیٹھی تھی۔ آواری کے شیشہ سی لابی میں چلتے اسے وہ قصہ اپنی گونج دیتا سنائی دیا۔

''میری دادی جان، پہلوان جی سے تیرہ سال بڑی تھیں۔ بڑھاپے میں ان کے دماغ کی شریانوں کا پانی خشک ہوگیا۔ مطلب ہمیں جو کچھ ڈاکٹرز نے آسان لفظوں میں بتایا وہ یہی تھا کہ شریانیں خشک ہو گئی ہیں۔''

پندرہ لڑکیوں کا اوپر تلے دبا ہجوم اور ہاتھوں کو جھلا جھلا کے بولتی، کوئین میری کے ٹھنڈے کوریڈور میں بیٹھی وہ سفید یونیفارم اور میرون سکارف والی لڑکی سب کی توجہ کا مرکز تھی۔

''ڈاکٹرز نے کہا کہ یہ وقت کی قید سے نکل گئی ہیں۔ وہ اپنے بچپن، کبھی جوانی اور کبھی بڑھاپے میں چلی جاتیں۔ ایک دن وہ بہت رو رہی تھیں کہ سب نے ان کی گڑیا گم کردی۔ میں قریب ہی کھیل رہی تھی شاید چھ سال کی ہوں گی۔ مجھے دیکھ کے بولیں ''یہ ہے میری گڑیا......'' کئی ایک ہنس دیں۔

''وہ مجھ سے کھیلتی تھیں۔ بس مجھے یہ حکم تھا کہ کم سے کم ہلوں اور بولوں تو کچھ بھی نہیں۔ پھر ایک روز پہلوان جی سے بولیں۔ ''میری گڑیا کی شادی ہے تمہارے گڈے سے۔''

''یار! ایسا نہیں ہوتا۔ یہ پرانا دور تھوڑی ہے۔'' ایک کھڑدلی تڑپ اٹھی اس دقیانوسیت پہ۔ باقی

TAGPK.com

سب کو کہانی جاننے کا چسکہ......

"پہلوان جی نے گیارہ سالہ گوہر کو شیروانی خرید دی اور مجھے گھاگھرا۔ یوں ہوگئی ہماری شادی۔"

"وہ نکاح ہوتا ہے پاگل۔" کوئی بولی تھی۔

"یہ نکاح بھی نہیں ہوتا کیونکہ یہ دونوں نابالغ تھے۔" ایک پڑھا کو نکتہ نکال لائی۔

"ایسے شادی نہیں ہوتی۔" اس کا انداز سارہ جمال کو دہکا گیا۔

"تو کیا؟ ہم پھر سے کرلیں گے۔ ہماری آپس کی بات ہے ناں۔"

سرخ گالوں والی تپی ہوئی وہ لڑکی اس قدر معصوم دکھی کہ کئی ایک کا دل اس کی طرف ہوگیا۔ وہ جھلا کے اٹھ گئی۔

"سارہ! بتاؤ تو......؟ وہ کیا کہتا ہے تمہیں۔ کیسے پکارتا ہے؟ گفٹ دیتا ہے؟ میٹھا میٹھا دیکھتا تو ہو گا؟" کئی سوالات اٹھ گئے۔ وہ واش رومز کی قطاروں کی طرف آئی۔ واش بیسن سے منہ پہ چھپا کے مارے۔ مارتی رہی۔

"سارہ! تم رو رہی ہو؟" ماہ نور آگے ہوئی۔

"کیا ہوا ہے، بتاؤ تو......" وہ ہچکیاں لینے لگی۔

"نور! وہ مجھے پکارتا نہیں، دیکھتا تک نہیں۔" پھوٹ پھوٹ کے روتی وہ لڑکی ماہ نور کی مسکراہٹ نہ دیکھ سکی۔

"سارو......کم آن یار۔ پاگل ہیں وہ سب۔ فینٹسی کی ماری۔ چپ کرو، کیا پتا وہ تمہیں دیکھتا ہو؟ مگر تمہیں خبر نہ ہو۔" ماہ نور اسے تھپکنے لگی۔

کچھ روز بعد وہ کالج وین سے اتری تو فائل میں کچھ کاغذات رکھتا گوہر کمال اس کے قریب سے گزرتے ہوئے بولا۔

"تھوڑا تیز چلو۔" دو قدم اس سے آگے ہوا۔ پھر فون دیکھتے اس سے پیچھے۔ وہ مڑ مڑ کے اسے دیکھتی جو کچھ ٹائپ کرتا مسکراتا تھا۔

شام کو دالان میں بیٹھے وہ رخ موڑ کے اسے ٹی وی دیکھتا، دیکھتی اور کچھ سوچ کے مسکراتی۔ وہ نیم دراز تھا کچھ محسوس ہوا تو ذرا اٹھ کے قرب و جوار میں سجی محفل کو دیکھا۔

"ادھر آؤ۔ پانی لادو۔" اس نے سارہ ہی سے کہا تھا۔ وہ اڑتی گئی اور گلنار چہرے کے ساتھ پانی کا گلاس لیے لوٹی۔

"آج کل کن لڑکیوں کے ساتھ اٹھ بیٹھ رہی ہو؟" گلاس پکڑتے اس نے براہ راست اسے دیکھا۔ سارہ جمال کا دماغ بھک سے اڑا۔

"اپنی کمپنی، نظریں اور خیالات درست رکھو اور بھاگ جاؤ یہاں سے۔"

سارہ جمال کو اپنا وجود نمک ہوتا محسوس ہوا۔

اس دن نے اسے یک لخت ہی سمجھ دار اور محتاط کیا تھا۔ وہ دن سالوں تک اسے ٹھکانے پر کر گیا۔ وہ ایسی درست ہوئی کہ اس نے گوہر کمال کا وجود ہی نفی کردیا۔ اپنی ہر بات، جذبات، خیالات سے۔ وقت نے چکر بننے شروع کیے تھے۔

وہ لابی میں چلتی ان چکروں میں الجھی جاتی تھی۔ لابی کی گلاس ونڈو میں سے وہ اسے ایک میز کے قریب کھڑا نظر آیا تھا۔ وہ لاشعوری سارکی۔ وہ کرسی کھینچتا اس دن والی لڑکی کے مقابل بیٹھ رہا تھا۔ پھر وہ کوئی بات کرتا ہنسا اور عادتاً فون کے اسکرین کو دیکھا۔ تب ہی اس لڑکی نے اسے فہمائش کرنے کھانے کی طرف متوجہ کرتے۔ اس کے میز پر دھرے ہاتھ کو تھپتھپایا وہ میکانکی سا مسکرایا۔

سارہ جمال کے اندر کھائیاں بنتی گئیں۔ آہیں گونجنے لگیں۔ اب اس نے لابی کے اس حصے کو دیکھا جہاں سارہ جمال ساکت ہوئی کھڑی تھی اور ماہ نور فون کان سے لگائے اسے بازو سے کھینچتی تھی۔

کھائیوں میں سیلاب سا اترا تھا۔ بے تحاشا پانی۔

وہ ماہ نور کے ساتھ کھنچتی جارہی تھی۔ سات سالوں سے روتی وہ لڑکی اب سے آج سے چپ ہوگئی تھی۔ اگر وہ کسی کے ساتھ مسکرا کے رہ سکتا ہے تو آنسو سارہ کا ہی ترکہ کیوں ہوں۔ اسے کم از کم اتنی جلدی تو ہنسنا نہیں چاہیے۔ اسے کبھی ہنسنا نہیں چاہیے۔

TAGPK.com

☆☆☆

رات یوں چپ تھی گویا سنانے کو کوئی الف لیلوی قصہ نہ بچا ہو۔ رات اس ماں سی چپ تھی جس کی گود کا دلارا کسی قبر میں جا سویا ہو۔ رات کو جانے کیسا روگ لگا تھا کہ بوڑھی ہوتی جاتی۔ مزید سیاہ اور کبڑی، لوکاٹ کی گود بھی یتیم ہوئی تھی۔ اب پتوں میں اندھیرا آن بسا تھا۔ وہ اندھیرا جو سورج کے سامنے تن گیا تھا۔

گھر میں برتن کھنکنے کی ہلکی سی آواز گونجتی۔ خبریں بھی سنی جاتیں۔

''ابراہیم! سونے کے وقت یہ سیل فون کس نے دیا تمہیں۔'' انعم بھابھی کی آواز گونجتی۔

''اسے نیند نہیں آرہی۔ کھیلنے دو......'' احد بھائی کی بوجھل سی آواز آئی۔

''احد! میں نے کتنی بار کہا ہے جب میں اسے ڈسپلن سکھا رہی ہوں تو مت بولا کریں۔ وہ بدتمیز ہوتا جارہا ہے آپ کی شہ پر۔'' دروازہ جھٹکے سے بند ہوتا۔

''آج بہت دیر لگادی میری پتری۔''

وہ چائے کا کپ بنا کے جلدی سے سیڑھیاں چڑھنا چاہتی تھی کہ سر میں اٹھتی ٹیسیں اب ناقابل برداشت ہوگئی تھیں۔

دادا کی بات سن کر وہ پلٹی۔ ان کے تخت کے کنارے پر ٹک گئی۔ بوگن ویلیا تلے رکھے تخت پر سناٹا اور دھند بھر گئی تھی۔

''گھر آکے چار گھنٹے انتظار کیا تمہارا۔ نئیں مانا پھر تیرا باپ؟'' دادا نے بات کھولی تھی۔ سارہ جمال نے درد سے انہیں دیکھا۔

''اس نے مجھے چھوڑ دیا پہلوان جی!'' سالوں بعد سارہ جمال نے اس متعلق بات کی تھی وہ بھی اپنے دوست نما باپ کے باپ سے۔

''تو نے تو اسے کب کا چھوڑ دیا تھا سارہ پتری۔ وہ کملا تو اب تک تاتے کے پانی میں ہاتھ ڈالے بیٹھا تھا۔'' خاموشی کو بغاوت کرنے کا موقع مل گیا ہو جیسے۔

''جب تیری دادی بیمار تھی اور کہتی تھی۔ گڑیا کی شادی کردو۔ میں نے ایویں اتنا بڑا فیصلہ نئیں کرلیا تھا۔ قدرت نے کروایا تھا یہ فیصلہ مجھ سے۔ ورنہ گھر میں تو سات لڑکے اور بھی تھے۔'' دادا اپنا کمبل اس کے کپکپاتے ہاتھوں پر کرتے بولے تھے۔

''نسیمہ آئی تھی گاؤں سے۔ پاء جی، باجی کو گاؤں لے کر چلتے ہیں۔ اپنے لوگ، خالص کھلی ہوائیں، غذائیں، میں نے کہا، چلو، بہوؤں کو کہا بچوں کو ساتھ کردو۔ چھٹیاں ہیں۔ پھر دادی کا بھی دل لگا رہے گا۔ گاؤں جاتے ہی تمہاری دادی کے حواس جیسے قائم ہونا شروع ہوگئے۔ لوگ آتے جاتے، یہ کھلا وہ مالش، اس دربار......اس حکیم۔

خیر اس دن ہم بیٹھے جامن کی گٹھلیوں سے کوئی مغز بناتے تھے۔ جب بچوں کی قطار روتی دھوتی صحن میں آگئی۔ ''دادا جی سارہ کھیتوں کے بڑے نالے میں بہہ گئی۔'' ماہم روتی جاتی۔ میری جان کو پنکھے لگ گئے۔ وہ نالہ، بڑی نہر میں گرتا تھا۔ سوچا بیوی بچانے آیا تھا۔ بیوی کی گڑیا بہا کے کیسے لوٹوں گا۔ آدھا گلی محلہ ہمارے ساتھ نالے کو بھاگا گیا۔''

دادا نے ہچکی سی سانس بھری۔ لہجے کی نمی کو سہارا دیا۔

''جانتی ہے سارو! میرا گوہر، اکیلا نالے میں ہاتھ ڈالے بیٹھا تھا۔ بالکل ساکت۔ دادا! میں نے اسے پکڑا تھا پر وہ چھوٹ گئی۔'' جب وہ یہ بولتا تو اتنا زرد دکھتا کہ مجھے تیری چھوڑ اس کی فکر لگ گئی۔ مردوں نے تجھے کہیں سے جالیا۔

''بابا جی اگر بچہ نہ پکڑتا یہ چند منٹ پہلے اس کے ہاتھ سے چھوٹ جاتی تو مشکل ہی تھا۔'' لوگ کہتے۔ باقی بچے خوف زدہ پیچھے کھڑے تھے پر وہ تیری سانس سنتا۔ ''دادا سارو زندہ ہے۔'' وہ کہتا۔

میں نے گوہر کو زندہ ہوتے دیکھا تھا اور فیصلہ ہوگیا۔ تم دونوں کا نکاح بھی ہوگیا۔'' دادا ہنسے تھے۔ سارہ جمال مردہ ہو جیسے۔

''نکاح والے دن بھی وہ تجھے ڈھونڈتا پھرتا کہ

ایک سوہن حلوے کی ڈلی تھی اس کے ہاتھ میں......

آہ......اتنا سب کچھ غلط کیسے ہوگیا؟ جمال کو وہ کبھی پسند نہ تھا۔ میں جانتا ہوں۔ اسے لگتا ہے کہ فرحانہ سے شادی کرا کے میں نے اس پر ظلم کیا پھر یہی ظلم میں نے تیرے ساتھ کردیا۔ گوہر اتنا اجلا نہ تھا جتنے دوسرے لڑکے تھے۔ اتنا لائق نہ تھا جتنے دوسرے تھے۔ اتنا ترقی پسند نہ تھا جتنا تیرے باپ کو پسند تھا۔ کمال کے پانچ بیٹوں میں ہر کوئی افسر بننا چاہتا، اپنے چاچے جیسا صرف گوہر تھا جس نے سوچا کہ بوڑھے باپ کا قالین کا شوروم کون دیکھے گا۔ باپ کو آرام کب دیا جائے گا۔

یاد ہے تیرے باپ نے کتنا کہرام مچایا تھا اس بات پر، چلو اب تو یہ گلہ بھی نہ رہا۔ کہیں نہ کہیں اٹکا ہی ہوا ہے ناں۔ پھر میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اتنے سالوں میں اس کی ایک غلطی معاف نہ ہوسکی۔ کیا تھا جو جوان بالک سے غلطی ہوگئی۔ کہنے کو تو تم اس کی منکوحہ تھیں ناں۔ بس...... تیرے باپ نے نکال لی سالوں کی بھڑاس......'' دادا کی آواز رک گئی۔ وہ کمزوری سے اٹھی۔

''فون آیا تھا اس کا، رجسٹری مل جائے گی تمہیں ایک دو روز میں۔'' سارہ جمال کے اندر سے کچھ تخت کے پاس گرا تھا۔ کچھ مردہ ہوا تھا۔ بھاری بے حرکت، خبرنامے کی آواز جیسے بڑھ گئی تھی۔ وہ سیڑھیاں چڑھتی گئی۔ آہستہ آہستہ......

اسے موحد نے دھکا دیا تھا۔ وہ لڑکھڑا کے پانی میں گری تھی۔ وہ کوئی شے پکڑنے کی کوشش کرتی۔ اس نے سب کو بھاگتے دیکھا۔ مگر...... اس نے گوہر کمال کو اس کا ہاتھ پکڑتے دیکھا۔ وہ ڈبکیاں کھاتے کنارے سے نیچے لٹکے گوہر کو دیکھتی۔

''میرا ہاتھ مت چھوڑنا سارو۔'' وہ کہہ رہا تھا۔

مگر پانی سے لڑتی سارہ جمال کو ہاتھ چھوڑنا زیادہ آسان لگا تھا۔ گوہر دور ہوگیا تھا۔ گوہر دور ہوتا جارہا تھا۔ پانی میں ہاتھ ڈالے بیٹھا وہ لڑکا کہیں دور رہ گیا تھا۔

☆☆☆

تب گھر میں تماشا لگا تھا۔ ماہم اور اجالا کی منگنی والے دن۔ اس دن وہ اکیلی ہی ٹیسٹ دینے اکیڈمی آئی تھی کہ شازم بازار کے چکر کاٹ رہا تھا۔ وہاں زویا نے اسے اپنی بہن روحا سے ملوایا تھا۔

''تو تم گوہر کی بہن ہو، رائٹ؟'' وہ دلکش سی لڑکی بڑی ادا سے پوچھ رہی تھی۔

''گوہر اور میں یونیورسٹی میں ساتھ ہوتے ہیں۔'' وہ لاپروائی سے گاڑی کی چابی گھماتے ہوئے بولی۔ ''چلو تمہیں بھی ڈراپ کردوں۔ صاحب نے تو کبھی اتنا تکلف بھی نہیں کیا کہ گھر ہی دکھا دے۔''

''میں گوہر کی بہن نہیں ہوں۔'' وہ سارہ جمال تھی۔ شمالی ٹیلوں پر چہلیں کرتی کوئل......

روحا نے بغور اس کم عمر سی لڑکی کو دیکھا۔ مسکرائی

اور اسی دن...... کیمسٹری کے سر سلطان نے سارے کیمپس کے سامنے سارہ کے منہ پر جرنل مارا تھا۔ واقعتاً مارا تھا۔ وہ بے تحاشا رو رہی تھی۔

تب ہی گوہر اسے لینے اکیڈمی آیا تھا کہ باقی کوئی میسر نہ تھا۔ اس نے سارہ کو روتا دیکھا۔

''یہ سلطان کون ہیں؟'' وہ ہر دروازہ کھٹکھٹاتا کے پوچھتا۔ پھر اس نے سلطان ملک کو بے تحاشا پیٹا تھا۔ سارہ جمال سہم کے چپ ہی نہیں ساکت ہوگئی تھی۔ انتظامیہ اکٹھی ہوگئی۔

''میں تم لوگوں کو عدالتوں میں گھسیٹوں گا۔ لوگوں کی عزت کے ساتھ تم لوگ تماشا کرتے ہو۔''

وہ سارا کا بیگ پکڑتا دوسرے ہاتھ میں اس کا ہاتھ پکڑ کے چلتا جاتا اور لوگ اس کی غراہٹیں سنتے۔ وہ پہلوان دادا کا ویٹ لفٹر پوتا تھا۔ وہ وحشت پھیلاتا جاتا۔

''سر کہتے تھے، نوٹس آفس سے لے جانا۔'' وہ کپکپاتے ہوئے اسے ساری بات بتاتی۔ وہ اس کے دوپٹے سے ہی اس کی آنکھیں رگڑتا۔

''گھر میں کسی کو معلوم نہ ہو۔'' وہ بائیک اسٹارٹ کرتا۔ مگر گھر میں سب کو معلوم ہوگیا۔ جمال

TAGPK.com

نور راجپوت، ستون سے لگے لڑکے کو قہر بار سا دیکھتے۔

''وہ بلاوجہ اسے لعن طعن کرتا تھا جو کہ قابل قبول نہیں۔'' وہ اصل بات چھپا گیا۔

''تم باپ نہیں اس کے، میں ہوں۔ شہر کا بہترین ادارہ ہے۔ وہ ٹیسٹ سیریز دے رہی ہے وہ، امتحان سر پر ہیں۔ ڈاکٹر بننا ہے میری بیٹی کو دو کا ندار نہیں جو عین اس وقت میں وہ یہ جوکھم مول لے۔''

''سارہ اس اکیڈمی نہیں جائے گی چچا۔'' وہ سیدھا جم کے کھڑا ہوتے ہوئے بولا۔ وہ پہلی بار چچا کے سامنے آیا تھا۔

''اس کا نام سارہ ہے۔ سارہ جمال۔'' جمال نور کو اس کا استحقاق اس قدر چبھا کہ انہوں نے بہت سی باتوں کو آج کھول دینا ہی مناسب سمجھا۔

''شاہ میر سے کہیں، وہ سارا جمال کی مدد کردے۔'' وہ نور دین راجپوت سے بولا تھا۔ بالائی منزل کے داہنے طرف کے کمرے میں بیٹھا شاہ میر ہولے سے ہنسا تھا۔

''او گوہر...... تم نے تو اپنا اناج فاقہ زدہ کے گھر امانت کر دیا تو اب بھلا فاقہ زدہ سے کیسا شکوہ۔''

نیچے جمال نور راجپوت کا قہر بول رہا۔

''آپ نے دشمنی کی میری بیٹی کے ساتھ۔ احد سی اے ہے۔ موحد کیپٹن، عازم جی ڈی پائلٹ کا ٹرینی، شاہ میر میڈیکل کے تیسرے سال میں۔ آپ نے کیا ڈھونڈا، کیا میری بیٹی کے مستقبل کے لیے۔ کمپیوٹر سائنسز میں ماسٹرز کرتا جم میں بارہ گھنٹے گزارتا۔ مستقبل میں شوروم سنبھالنے کے ارادے بناتا گوہر کمال۔'' بالائی منزل کے بائیں طرف کے کمرے میں بیٹھی جمال نور کی بیٹی کچھ اور ہی کہتی تھی۔

''سلطان سیریکا منہ دیکھنے والا تھا۔ گوہر کی آواز ہر طرف اڑتی پھرتی تھی۔ میں تم لوگوں کو عدالتوں میں گھسیٹوں گا۔ مجھے لگا تسلی کا اس سے بہتر طریقہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اعتماد اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا؟''

وہ بال بناتی ماہ رخ کو بتائے جارہی تھی۔

☆☆☆

وہ جو کہتے ہیں محبت خراب کرتی ہے
غلط کہتے ہیں
یہ عادتیں ہیں جو خرابی کو مقدر کر دیتی ہیں۔
اور محبت کو بھی......

شاہ میر جعفر کس قدر ساحر تھا، سارہ جمال کو اندازہ نہ تھا ہاں مگر...... وہ بات سے بات نکالتے اس جادوگر کے چلبلے کا ہالہ ہوگئی۔ جادوگر ہالہ چھوڑ بھی دیتا ہالے کا سحر نہ ٹوٹتا۔ وہ گوہر سے کئی گنا خوش شکل تھا مگر جانتا تھا اس کی حسین صورت، بلا کے پرکشش گوہر کمال کو نہیں ہرا سکتی۔ اس کی قابلیت کو گوہر کا اکھڑ پن ہی کافی تھا۔ اس کے علم کو گوہر کا حلقہ احباب ہی مات دے دیتا۔ ہاں مگر ایک شے۔

تم جو کہو
کہ حسن کا معیار ہو تم
میں ہنس کے تمہیں سودائی جانوں
گر تم یہ کہو......
کہ تم سا جہاں میں اور کوئی نہیں۔
تو میں خود کو پانیوں میں پڑی نمک کی ڈلی مانوں۔

اور شاہ میر جعفر نے یہی کہا تھا جو کسی عورت کو بھی نمک کی ڈلی کردے۔

''تم جو ہنستی ہو تو کوئی برق سی کوندتی ہے۔'' وہ جرنل پر لکھ دیتا۔ وہ گھبرا کے صفحہ پھاڑ دیتی۔

''تمہیں میری شکست کے لیے بنایا گیا ہے۔'' وہ شطرنج میں ہار کے کہتا، وہ کھڑکیوں سے باہر دیکھنے لگتی۔

''مجھے اللہ کے فیصلوں سے شکوے ہونے لگے ہیں۔''

وہ بوا کے غرارے کی فال سیدھی کر کے سیلفی بناتے گوہر کو دیکھ کے سنہری سا مسکرائی اور وہ جانمنی سا جملہ پھینک جاتا۔ وہ ہر بات شاہ میر کو بتاتی، ہر مشورہ اس سے کرتی۔ ہر اجازت اس سے مانگتی۔ گوہر پانی میں ہاتھ ڈالے بیٹھا تھا اور وہ ہاتھ چھڑا کے لہروں

میں غوطہ زن تھی۔

"پڑھائی کیسی جا رہی ہے تمہاری؟" لکڑی کے زینوں پر کھڑے اپنے فون کو مسکراتی نظروں اور بھنچے لبوں سے دیکھتا وہ فقط یہی پوچھتا۔

"میڈیکل کوئی واحد کریئر نہیں دنیا میں۔ کچھ اور کرلو۔"

وہ ایڈمیشن نہ ہونے سے پریشان ہوتی۔

وہ جملہ کہہ کر آگے بڑھ جاتا۔

ہاں مگر وہ شاہ میر ہوتا جو یہ کرلو۔ وہ دیکھ لو۔ یہ صحیح رہے گا۔ اس میں کوئی اسکوپ نہیں یہ بہت ڈیمانڈنگ ہے۔

وہ ہر ہر لمحہ سارہ جمال کے دروازے پر دستک دے رہا ہوتا۔

سارہ جمال کا دھیان اس دستک سے ہٹتا ہی ناں۔ وہ بی ایس اپیلائیڈ سائیکالوجی کرنے لگی تھی۔ شاہ میر ہاؤس جاب میں تھا۔ گوہر شوروم جانے لگا تھا۔ وہ ہمہ وقت شاہ میر کے سنگ ہوتی۔

"کھانا کھایا؟" ٹیکسٹ آتا۔

"اتنی دیر تک کیوں جاگ رہی ہو؟" وہ جواب لکھ رہی ہوتی۔

"یہ کیسا رنگ پہنا ہے؟" وہ واپس چینج کرنے کو بھاگ جاتی۔ روم جل جل جاتا، نیرو کا وجد نہ لوٹتا۔ یوں لگتا، مرغیوں کی رکھوالی کو بیٹھا ڈبو مرغیوں پر ہی ٹوٹ پڑا ہو۔ ہر ایک جیسے اندھا بہرہ ہوگیا۔

"شاہ میر، سارہ کو یونیورسٹی چھوڑتے جانا۔" کوئی کہہ دیتا۔

"شاہ میر سارہ کو دوست کی سالگرہ پر لے جائے گا۔" گوہر اطمینان سے چائے پی رہا ہوتا۔

"شاہ میر! سارہ کو اردو بازار جانا ہے۔" گوہر تخت پر آنکھیں موندے سن رہا ہوتا۔ مگر بوا تھیں۔ جو ٹھٹک گئیں۔

"منہ اٹھا کے شاہ میر کے کمرے میں جاتے حیا نہیں آتی تمہیں۔ اونٹ سی چوبارہ ہوگئیں مگر......"

سارہ پاؤں پٹختی کمرہ بند ہوجاتی۔ جمال نور راجپوت کو گوہر کمال راجپوت پسند نہ تھا، بالکل یونہی بوا کریمہ کو سارہ جمال راجپوت پسند نہ تھی۔ وہ عائشہ فرحانہ کی بے اولاد خالہ تھیں۔ وہ کئی برسوں سے ان کے ساتھ مکین تھیں۔ وہ گوہر کی ماں تھیں۔ گوہر کے لیے وظیفے کرتیں۔ اس پر پھونکیں مارتیں، کھانے بناتیں۔ سوئٹر بنتیں اور گوہر والی لوٹھا کی تربیت میں ہلکان ہوتیں۔

"تمہیں یونیورسٹی جانا ہے ناں، گوہر چھوڑ دے گا۔" وہ شاہ میر کے ساتھ نکلتی سارہ کو روکتیں۔

"بوا! آپ کمال کرتی ہیں۔ دونوں کو اکیلے بھیجنا......" فرحانہ اشارہ کر کے چپ ہوگئیں۔

"منکوح کے ساتھ مت بھیجنا۔ اس نامحرم کے ساتھ بھیج دینا یہ کہاں سے مستعار لی گئی فراست ہے۔ تیرے اس فرنگی شوہر کی ہی ایسی بے ڈھنگی پالیسیاں ہوسکتی ہیں۔" بوا فرحانہ پر چڑھائی کر گئیں۔ بات پھر آئی گئی ہوئی۔ مگر پھر ایک دن۔

جب آسمان سے ڈھیروں پانی اترا تھا۔ اور ہر منظر کی روشنائی اور تازگی سہ گنا ہوگئی تھی اس دن......

اس دن سارہ جمال کو گوہر کمال جیسے چکا چوند سا نظر آ گیا تھا۔

کس طرح چھوڑ دوں تمہیں جاناں

تم میری زندگی کی عادت ہو......

بلال کے بفرز میں جیسے کسی نے سکون کا تریاق ملا دیا ہو۔ کھڑکی میں بیٹھی سارہ جمال نے نظر نیچے کی تھی اور نظر کہیں کسی درز، کسی زینے، کسی جھروکے، کسی مسکراہٹ میں اٹک گئی تھی۔

ملک صاحب کے مکان کے سامنے والے چبوترے پر جمی اس محفل میں کوئی قصہ سناتا گوہر کمال اور اس کی آنکھوں کی نمی، اور بے قابو قہقہے...... سارہ جمال کا دل...... وہ جیسے کسی صدیوں پرانی نیند سے جاگ اٹھا ہو۔ وہ کہیں سویا ہوا تھا۔ یا خاموش ہوگیا تھا، اس نے اندر کہیں گھنگرو باندھ لیے تھے۔ چھن چھن چھن......

فون مسلسل بجتا رہا۔ شاہ میر کی بارش پر بھیجی

TAGPK.com

غزل، فکر، بے تابی۔ ہر شے پس منظر ہوگئی۔ وہ جو محفل برخاست کرکے اٹھتا، کسی لڑکے سے بغل گیر ہوتا۔ شاید اس کے اعزاز میں ہی محفل سجی تھی۔ گھر کی طرف بڑھتا۔ قدم بہ قدم سارہ جمال کی نظریں نہ ہٹتیں۔ پھر اس نے سر اٹھا کے دیکھا۔ وہ جھروکے میں سجی کوئی مورت ہو جیسے۔

''یہ اتنی بڑی ہوگئی ہے؟'' سوچ جیسے چپکے سے اندر آن بیٹھی تھی۔ لاپروائی سے کندھے پر ڈالا دوپٹہ، دوسرے کندھے پر جھولتی چوٹی، دودھیا گردن، گلابی سا چہرہ۔

گوہر کے اندر ابال سا اٹھا تھا۔ ہاتھ اٹھا کے اسے کھڑکی سے ہٹنے کا شارہ کیا تھا۔ وہ ہڑبڑا کے اندر گئی تھی۔ وہ سیل فون پر بجتی گھنٹی کی طرف متوجہ ہوا۔ مغل بستی میں شام گہری ہوئی گئی تھی۔ فسوں ٹوٹا تھا۔ حقیقت جاگ اٹھی تھی۔ اپنی امانت واپس لینے کا وقت ہوگیا تھا مگر وقت بہت تاریک تھا۔

☆☆☆

ماہم اور اجالا کی شادی ایک ہی گھرانے میں طے پائی تھی۔ شادی کے ہنگامے جاگتے ہی ہر کوئی یوں مصروف ہوا گویا کائنات کا وجود ہی ان دونوں کی شادی کروانے کو بنایا گیا ہو۔ ایسے میں گھر میں پہلا ہنگامہ پھوڑا تھا۔

''شاہ میر بھائی! مجھے نیچے جانا ہے۔'' وہ اکتائی کھڑی تھی۔ سگریٹ پر سگریٹ سلگاتا شاہ میر اسے نئی سے نئی بات میں الجھاتا۔ وہ بالکونی میں کھڑے تھے وہ ہاتھ مسلتی۔ اسے یہ سب اچھا نہیں لگ رہا تھا مگر شاہ میر جیسے اندھا بہرہ ہو۔

''شاہ میر بھائی...... دیکھیں، مغرب ہوگئی ہے مجھے جانے دیں۔''

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' گوہر کی آواز پر گویا اچھل کے پلٹی تھی۔

''وہ...... وہ میں تو۔'' دل زبان پر چڑھ آیا تھا خوف پوروں تک میں سرایت کر گیا تھا۔ گوہر جو چارجر اٹھانے آیا تھا جارحانہ سا آگے آیا۔

''یہ مجھ سے نوٹس لینے آئی تھی۔'' شاہ میر نے اطمینان سے کہتے کش لگایا۔ بنا تماشے کے سارہ جمال نہ ملنا تھی۔ وہ ہر تماشے کے لیے تیار تھا۔

''کس سبجیکٹ کے؟ سائیکالوجی پڑھ رہی ہو ناں تم؟ اور تم فزیشن ہو غالباً۔'' وہ تند سا بولتا۔ جانے کیوں اس کے اندر باہر لاوا ہی لاوا ابل رہا تھا۔

''تمہیں کیا مطلب ہے۔ وہ چاہے تو کبھی بھی کیسے بھی میرے کمرے میں آسکتی ہے اور تم اجازت لیے بغیر۔''

گوہر نے اس کا جملہ مکمل نہ ہونے دیا اور آگے بڑھ کے اس کے لبوں سے سگریٹ کھینچ لی۔ شاہ میر تھم گیا۔

''یہ کبھی بھی کیسے بھی تمہارے کمرے میں کیوں آنے لگی؟ ہاں؟ آج کے بعد یہ تمہارے کمرے کیا گھر کے کسی کونے میں بھی تمہارے ساتھ نظر نہیں آنے والی۔'' درشتی سے کہتے اس نے اسی درشتی سے سارہ کو چلنے کو کہا تھا۔ اور پھوپھو نے رو رو کے خود کو ہلکان کرلیا۔

''شوروم سنبھال لیا ہے اس نے۔ خاندانی کاروبار کی بھاگ دوڑ سنبھالتے ہی اس نے میرے بیٹے کو پرایا کہہ دیا۔ ہم پہ ہمارا مستقبل واضح کردیا۔''

گوہر کمال کو پہلی دفعہ احساس ہوا کہ اس نے خاندانی کاروبار سنبھالا ہے ورنہ آج سے پہلے تو چچا اسے دوکاندار کہہ کے شرمندہ ہی کرتے تھے۔

''امی! شامی کو بھی چاہیے تھا ناں کہ ذمہ داری کا ثبوت دیتا۔ اب ہم سب بڑے ہوگئے ہیں۔ یہ کیا طریقہ ہوا۔'' اجالا نے اپنے ہی بھائی کے خلاف گواہی دی تھی۔

کمرے میں بیٹھی سارہ جمال بوا کی لعن طعن سنتی۔ امی کی گھرکیاں برداشت کرتی سوچتی۔ گوہر نے جس ہاتھ سے اسے باہر نکلنے کا شارہ کیا تھا۔ اس ہاتھ میں پکڑے فون پر کسی کا نام چمکا تھا۔ وہ نام سارہ جمال نے بہت بار سن رکھا تھا۔

وہ نام سارہ بار بار سن رہی تھی۔

☆☆☆

"کوئی کافر بھی ہو تو تمہیں حور کہہ دے۔ حور مان لے۔"

دھم دھم بجتی موسیقی اور بے تماشا بکھری رونق میں وہ خاموش سی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی، جب شاہ میر جعفر کا اتنے دن کا کفر ٹوٹا۔ وہ کیا لگتا تھا اس کا؟ وہ بہت کچھ لگتا تھا وہ تو دھاڑا تھا اس پر۔

"اندھی ہے کیا تمہاری دوست، جو اسے یہ روشن ہوا گھر نہیں نظر آئے گا۔ اندر جاؤ اور سمیٹو یہ بال۔"

ماہم اور اجالا کی مہندی تھی اور ہر لڑکے کے اطوار کے برعکس وہ تھکا تھکا سا نہیں جانے لگا تھا مگر دروازے پر لگی سارہ کو دیکھتے ہی تند ہوا۔ وہ فوراً واپس آئی تھی۔

"آپ ناراض ہیں شاہ میر بھائی؟" سانس بھرتی اس کے قریب سے گزرتی سیڑھی پر جا بیٹھی۔ بالائی منزل خاموش تھی نیچے رسم شروع ہو چکی تھی۔ شاہ میر اس کے برابر بیٹھا۔

"میں خود میں اتنی ہمت نہیں پاتا کہ تم سے ناراض ہو سکوں۔"

وہ شاہ میر کا اپنے قریب ہونا محسوس نہ کر سکی۔ نیم تاریک سی سیڑھیاں تھوڑا سہم گئیں۔

"مجھے نہیں معلوم تھا، گوہر اتنا تماشا کرے گا۔ اور پھر......"

"میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں سارہ! مجھے گوہر کیا نور دین راجپوت کی بھی پرواہ نہیں۔ بس تم......صرف تمہاری رضا......" وہ ایک دم ہی بولا تھا۔

"آپ...... آپ کیا کہہ رہے ہیں شاہ میر بھائی۔" وہ اس نے ہراساں سی ہو کے ادھر ادھر دیکھا۔ شاہ میر نے اس کا چہرہ تھاما تھا۔

"گوہر ایک کاغذی رشتہ نبھانے میں اتنا انٹرسٹڈ نہیں جتنا میں یہ بے نام رشتہ نبھانے میں ہوں۔ تم چاہو تو......طلاق لے لینا۔ نہ بھی چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"شاہ میر بھائی! آپ چھوڑ دیں مجھے پلیز، آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔" سارہ نے اپنا چہرہ چھڑایا۔ شاہ میر نے اس کے منہ پر ہاتھ جمایا۔

"چپ...... بالکل چپ...... میں نے سالوں اس جذبے کو اس لیے نہیں پالا کہ وہ گنوار شخص تمہارا ہاتھ پکڑ کے میری زندگی سے باہر لے جائے۔ میں جانتا ہوں، تمہیں بھی کوئی محبت وحبت نہیں ہے اس سے۔ سارہ! ہم ساتھ رہ سکتے ہیں ہمیشہ۔ میں اس سے زیادہ تمہیں محبت کرتا ہوں تم سے، تمہارا خیال رکھوں گا میں ہمیشہ، چلو ٹھیک ہے۔"

شاہ میر کے چہرے پر پسینہ چمکا تھا۔ سارہ جمال نے کراہت سے آنکھیں بند کر لیں۔

"چلو ٹھیک ہے، تم اس کے ساتھ رہ لینا۔ مگر اس سے زیادہ تم میری رہنا۔ وہ تو ویسے بھی جم اور شوروم......" سارہ جمال نے تحاشا رونا شروع کیا تھا۔

"وہ تم سے پیار نہیں کرتا سارو۔" شاہ میر کی آواز بھیگی۔ وہ کمزور ہوا تھا۔

"وہ روحا سے کمٹمنٹ کر چکا ہے۔ وہ ابھی بھی اسی کو لینے گیا ہے۔ میرا کیا قصور ہے کہ میں کمال نور کا بیٹا نہیں ہوں۔ لاوارث ہوں۔ ان کے ٹکڑوں پر پلا ہوں۔" وہ بھی غصیلا، کبھی غمگین دکھتا۔ سارہ جمال کی سانس خشک تھی۔

"روؤ مت، ایکسٹریملی سوری سارو۔" میں تمہیں دکھ نہیں دے سکتا۔

"ادھر کیا کر رہے ہو تم دونوں۔" بوا کی گونج دار آواز پہ شاہ میر جست لگا کے اٹھا اور اوپر اپنے کمرے میں جا پہنچا۔ سارہ جمال کی ٹانگیں بے جان تھیں۔ وہ بے حال سی دکھتی تھی۔

"اب اٹھو گی یا مزید کوئی چاند چڑھانا ہے۔" بوا کی گھٹی گھٹی آواز میں نفرت سی تھی۔ وہ گھسٹتی اٹھی۔ بفرز اور سسٹم کے پاس بیٹھے بلال کے قریب وہ ڈھے گئی۔ اس کے بدن کی لرزش بے قابو تھی۔ بلال اسے اپنے کوک اسٹوڈیو جانے کا بتانے لگا۔ وہ غائب

TAGPK.com

دماغی سے بیٹھی رہی۔ وحشت نے اسے یوں جکڑ رکھا تھا کہ وہ اپنے آپ سے بھی خوف زدہ تھی۔

ماہ رخ اسے تلاشتی آئی اور کچھ کہہ کر واپس رونق کا حصہ بن گئی۔ اس الگ گوشے سے اس نے بالائی منزل پر بیٹھے شاہ میر کا پیغام موصول کیا تھا۔ گیلی ہتھیلیوں میں دبے فون پر ایک اطلاع درج تھی۔

''دائیں جانب سے آنے والا تمہارا منکوح ہی ہے ناں؟'' اس نے دائیں جانب دیکھا۔

چھپن چھپائی کھیلتے بچوں کے پیچھے، گوہر کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور گوہر باہر نکلا تھا۔ اس کے پیچھے مسکراتی ہوئی روحا تھی۔

سارہ کا دل بیٹھ گیا۔ پھر زویا کے ساتھ اپنی امی کی طرف جاتے اسے یاد آیا تھا اس دن فون پر چمکتا نام روحا فرقان ہی کا تھا۔ اسی لمحے سارہ جمال کو اپنا مستقبل نظر آ گیا تھا۔ تاریک بے منزل...... منجمد......

☆☆☆

لاہور اتنا روشن تھا کہ اندھیرا عدم 'لگتا' یخ سڑکوں پر روشنی کے دیوں سی گاڑیاں قطار در قطار تھیں۔ قلعے کے مینار روشن مگر پُرسکوت تھے۔ بادشاہی مسجد میں عشاء کب کی ادا ہو چکی۔

وہ ستونوں پہ کھڑی منقش بالکونی میں ننگے پاؤں یخ سنگی فرش پر بیٹھی تھی اور یہ نہ جانے کب سے تھا۔ اب تو کندھے سے لٹکی چوٹی بھی یخ ہو چکی تھی۔

وہ لاہور کی روشنیوں سے احتجاج کرتی ہو جیسے' وہ زندگی کی روانی پر معترض ہو جیسے۔ اسے شازم کی آواز سنائی دیتی۔ بڑی امی کی سسکاریاں...... بوگن ویلیا نے آہ بھری تھی جیسے اور گلابی درد صحن میں بھر گیا۔

''گوہر کو...... گوہر کو فون کرو...... میرا دل...... وہ ٹھیک تو ہے ناں؟'' بڑی امی دبا دبا سا پوچھتیں۔

''وہ ٹھیک نہیں ہے امی! وہ اتنا بے حس ہو رہا ہے کہ مجھے ڈر لگتا ہے اس سے بات کرنے میں بھی۔ موحد بھائی بتا رہے تھے آفیسرز کلب میں اس کا جھگڑا بھی چل رہا ہے کسی ایلیٹ گروپ سے۔ صبح شام وہ اس لڑکی کو لیے گھوم رہا ہے جیسے یوں کرنے سے تو اس کا غم خودکشی ہی کر لے گا ناں۔''

وہ چائے کا کپ رکھنے کچن میں جانے کو تھی۔ اب باہر کھڑی لمحہ لمحہ گھٹ رہی تھی۔

''آپ اس سے بات کریں۔ اسے کہیں، بس اب ختم کرے یہ سزا۔''

''مجھ سے نہیں ہو گی بات۔'' بڑی امی کی سسکیاں تکلیف دہ تھیں۔

''میرا بچہ...... میرا سب سے قیمتی بچہ۔'' سارہ جمال کو اپنا دکھ بانجھ لگا۔

''ایک غلطی...... بس ایک کوتاہی، لغزش، بھائی صاحب نے ہتھیار بنا لیا اس غلطی کو۔ وہ سارہ کو چھین لیتے اس سے۔ مگر انہوں نے سب کچھ چھین لیا اس سے۔'' بڑی امی کی ہچکیاں بات مکمل نہ ہونے دیتیں۔

''وہ منکوحہ تھی اس کی۔ غلطی یا گناہ نہیں کیا تھا اس نے۔ ہاں وہ ایک بے وقت لغزش ضرور تھی اور خاصی بے رحم لغزش تھی۔ پہلوان جی نے کہا بھی کہ رخصتی ایک مناسب حل ہے مگر...... جمال چچا کو وہ بھی پسند نہ تھا۔ ہم سب کو معلوم تھا...... مگر اتنی نفرت......''

سارہ جمال نے رسوئی کی دہلیز پر کپ چھوڑا اور واپس پلٹنے میں وقت نہ لگایا۔ منقش جھروکوں میں آویزاں آئینوں میں اس کی گردن کے کریہہ نشانات واضح ہوتے۔ وہ زینوں پر بھاگتی رہی۔ کہ سالوں سے وہ اپنے آپ کو دیکھنے کی عادی نہ رہی تھی۔

اس رات کا انت جیسے ابدیت کی کوکھ میں جا سویا تھا۔

☆☆☆

اگلی صبح انتہائی دھند زدہ اور کہر آلود تھی۔ لوکاٹ جیسے شہید ہو گیا اور بوگن ویلیا نورانی سا سفید۔ لکڑی کی کندہ کاری میں اوس جمی تھی اور زینے جھروکے کھڑکیاں، بالکونیاں سیاہی مائل بھوری ہو رہی تھیں۔

پہلوان جی کا دہی کا پیالہ جس میں کش کی گئی گاجریں جمی تھیں، ان کے تخت کے ساتھ بڑی چھوٹی میز پر تسبیح کے ساتھ یونہی پڑا تھا کہ آج ان پشتی

TAGPK.com

پہلوانوں کے گھر ایک اور گھمسان کا رن پڑا تھا۔

"اس سے پوچھیں کہ طلاق کا نوٹس کیوں واپس کیا اس نے۔" جمال نور راجپوت کا قہر بے لگام تھا۔ سارہ جمال کی گردن جیسے بار اٹھانے سے قاصر ہو۔

"اس سے پوچھیں کہ کس نے بھڑکایا ہے اسے یہ سب کرنے کو۔" طلاق کا نوٹس کب آیا۔ کوئی نہ جانتا تھا۔ سارہ جمال نے وہ کب واپس کیا...... لینے یا وصول کرنے سے انکار کیا...... ہر ایک بے خبر تھا۔

"یہ جو سالوں سے رونا دھونا چل رہا ہے ناں گھر میں۔ یہ رونا دھونا اسے ملنے نہیں دے رہا۔" جمال راجپوت قہر بار سے فرحانہ اور عائشہ کو دیکھتے۔

"مگر اب میں دیکھتا ہوں کہ یہ طلاق کیسے رکتی ہے۔"

"چچا! یہ فیصلہ سارہ کو لینا ہے۔ اور یہ فیصلہ خوش آئند ہے۔ اور اس بات کی نشان دہی کر رہی ہے کہ وہ طلاق نہیں......"

"خبردار...... خبردار۔ جو کسی نے یہ سوچا بھی کہ یہ طلاق نہیں لے گی۔"

احد بھائی نے بے بسی سے اپنے باپ کے بھائی کو دیکھا۔

"یہ جو اس کی گردن کبھی اٹھتی نہیں ناں کسی کے سامنے۔ اس گردن پر کی گئی بے رحمی نے مجھے کبھی سونے نہیں دیا۔" ان کی آواز لڑکھڑائی۔ "تم لوگوں کے لیے وہ خطا کار ہوگا، میرے لیے ابلیس ہے وہ۔ میں اسے معاف نہیں کر پاؤں گا کبھی بھی۔ نہ ہی اپنی بیٹی کو اسے معاف کرنے دوں گا۔ اس سے کہیں طلاق بھیجے دوبارہ۔ کسی خوش فہمی میں نہ رہے۔ اب اسے مایوس ہی کیا جائے گا۔" وہ سارہ کا بازو پکڑ کے اٹھاتے ہوئے بولے۔

"مجھے طلاق نہیں چاہیے ابا۔ اب تو آپ کو یہ گردن کے داغ نظر آتے ہیں پھر تو لوگوں کو طلاق کا داغ بھی نظر آنے لگے گا۔" جھکی گردن کے ساتھ وہ بولی تھی۔

"ایسے مت کرو سارہ، یاد ہے پورے تین محلوں میں سب سے پہلے سکوٹی تم نے خریدی تھی۔ مجھ سے ٹیلی اسکوپ کا تحفہ تم نے مانگا تھا اور کسی لڑکی نے نہیں۔ تم نے مجھ سے کہا تھا کہ میری ریٹائرمنٹ پر ہم دونوں یورپ کا ٹرپ کریں گے۔ وہ تم تھیں جس نے مجھ سے جائیداد میں حصہ مانگا تھا کہ تمہیں اپنا اکاؤنٹ ایلیٹ کرواتا تھا۔ تم اپنے آگے پیچھے اتنی اونچی دیواریں مت بناؤ کہ مجھے میری بیٹی نظر نہ آئے۔ میں درزوں سے بس اس کی چلتی سانسوں کے قیاس لگاتا ہی مر جاؤں۔ آگے بڑھو۔ دامن جھٹکو۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی تھی۔ فرحانہ نے اسے خود میں سمیٹا تھا۔ جمال نور راجپوت اس کے آنسو پونچھے۔ ماہ رخ اس کے ہاتھ کی اکڑن سہلاتی۔ وہ روتے روتے تھک جاتی۔ پھر سے روتی۔ بالآخر وہ بکھر گئی۔

"ابا...... ابا! مجھے گوہر کو نہیں چھوڑنا پلیز پلیز...... مجھ سے یہ نہ کروائیں۔ مجھ سے نہیں ہو پا رہا۔ پلیز ابا......"

اس کی ہچکیاں ہر ایک کو باندھ گئیں۔ اس کی منت سماجت نے ہر ایک کی سماعت کو مفلوج کر دیا۔

"کھڑکیوں، جھروکوں، بالکونیوں سے شبنم سا کہر ٹوٹ کر گرتا رہا۔

☆☆☆

وہ بے تحاشا سہم گئی تھی جیسے۔ وہ شاہ میر سے دور بھاگتی وہ گوہر کا سامنا کرنے سے کتراتی۔ وہ بوا کے سامنے ٹھہر نہ پاتی۔ وہ یوں ویران ہوئی گویا حملہ آور فوج کے ہاتھ لگا باغیچہ ہو۔

"یہ ہنستا کھیلتا لڑکا تمہارا پاک باز منکوحہ ہی ہے ناں۔" اسے روحا اور گوہر کی تصویر موصول ہوئی۔ اس کا دل کسی تیز ابی تالاب میں جا گرا تھا۔

"یہ کبھی ایسے دیکھتا ہے تمہیں؟" شاہ میر ایک تصویر بھیجتا جس میں گوہر اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔

"ہاں۔ میں دیکھتا ہوں تمہیں۔ اس سے کہیں شدت سے۔" اس نے کانپتے ہاتھوں سے فون پرے پھینکا۔

"میں تم کو سمجھ نہیں پاتا کہ کس قسم کی لڑکی ہو تم، تمہیں ذرا فرق نہیں پڑتا کہ......"

کبھی کبھی وہ تقریر کے موڈ میں ہوتا تو اسے ملامت کرتا کہ وہ گوہر کے خلاف کیونکر نہیں جا پا رہی۔

ایک دن وہ چیخ گئی۔

TAGPK.com

"مجھے ہراس کرنا چھوڑ دیں شاہ میر بھائی! ورنہ میں ابا یا پہلوان جی کو بتا دوں گی اور چیٹ بھی دکھا دوں گی۔"

فون بند کرنے کے بعد بھی وہ لرزے میں مبتلا رہی، اس کا دل کانپتا، وہ راتوں کو بھی آہٹوں، کروٹوں حتیٰ کہ سلوٹوں سے بھی ڈرتی۔ مگر شاہ میر پر دھمکی اثر کر چکی تھی۔ وہ محتاط ہو گیا پھر ایک دن......

"میں پاکستان سے جا رہا ہوں ہمیشہ کے لیے تمہاری معافی زاد راہ کے طور پر مل سکتی ہے؟" وہ سیڑھیوں پر روک کر پوچھ رہا تھا۔ سارہ جمال کو دوست چھن جانے کا دکھ تھا جو بھی کم نہ ہوتا۔

"تم شاید تھوڑے میں ہی خوش رہ سکو۔ مگر یہ حقیقت اٹل ہے کہ مجھ سے زیادہ تمہیں کوئی نہیں چاہ سکتا۔" وہ سیڑھیاں اترتے اس حسین مرد کو دیکھتی رہی۔

"وہ جا چکا ہے۔ اب ہٹو یہاں سے۔" گوہر کمال نے سرد لہجے میں کہا تو وہ شرمندہ سی ہٹ گئی۔

پھر شاہ میر چلا گیا۔ اس کا فون بھی خاموش ہو گیا۔ لیکن ویرانی سکون میں ہرگز نہ بدل سکی۔

☆☆☆

زویا اسے یونیورسٹی سے زبردستی اپنے گھر لے گئی۔ اس کی ماں جیسے بھری بیٹھی تھیں۔ وہ پھٹ پڑیں۔

"کس قماش کا خاندان ہے تمہارا؟ جہاں کے مردوں کو تحفے لینے، شامیں گزارنے اور ہوس پوری کرنے کو اور عورت چاہیے اور شادی کرنے کو سیدھی سادی گھریلو چچا زاد یا ماموں، خالہ زاد چاہیے۔ مجھ بیوہ کے پاس تو پیسے کے علاوہ کوئی لگام نہیں اپنی بیٹی کو ڈالنے کے لیے مگر تم لوگوں کا تو لگتا ہے کاروبار ہی یہ ہے۔ اچھے گھروں کی لڑکیاں پھانسو اور مطلب کی ہر شے بٹورو۔" عجب روایتی سے ڈرامائی جملے۔

"آنٹی پلیز......" سارہ جمال نے خشک سانسوں میں کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہاں تو اور کیا کروں میں؟ میری بیٹی پاگل کر رکھی ہے اس شخص نے، وہ اس پہ جان واری پھیرتی ہے اور وہ لڑکا تین سالوں کے رشتے کے بعد اب کہتا ہے کہ وہ تو اپنی چچا زاد سے منسوب ہے یعنی کہ اندھیر نگری ہے یہ...... میں تو خوب تماشا کروں گی ساری دنیا دیکھے گی۔"

وہ بھاگتی ہوئی ان کے داخلی دروازے سے نکل آئی تھی۔ گھپ سی شام میں وہ سڑک کے بیچوں بیچ کھڑی تھی۔ جیسے سمتوں کا حساب کھو گیا ہو۔ جیسے گھر گم ہو گیا ہو۔ فٹ پاتھ پہ بیٹھ کے زار زار روتے اسے گوہر سے نفرت کا پہلا پیغام ملا تھا۔ کہیں اندر سے۔

"اللہ کرے گوہر مر جائے۔" وہ دعا گو ہوئی تھی اور اس کا فون بجا تھا۔

"کہاں ہو تم؟" گوہر جیسے جانتا ہو۔

"تم وہیں رہنا، میں بس آ رہا ہوں۔ جانا مت کہیں۔ سنا تم نے۔"

وہ یقین دہانی چاہتا تھا۔ اس گھپ سڑک پر بیٹھی۔ ایک سنسان کالونی کے سنسان سے حصے میں...... وہ گوہر کا انتظار کر رہی تھی۔ اپنے ہاتھ میں بلیڈ کا ٹکڑا دبائے۔ وہ گوہر کی شہ رگ کاٹنے کو تیار تھی۔ سیدھا شہ رگ......

☆☆☆

"ابا! گوہر کو نہیں چھوڑنا مجھے۔" سارہ کی کراہیں اس کے باپ کو ٹہلنے پر مجبور کر رہی تھیں۔ سگار کا دھواں جیسے منظر بنانے لگا ہو۔

اس دن وہ یونیورسٹی سے لوٹے تو خبر ملی کہ سارہ کو شدید بخار ہے۔ وہ فوراً اس کے کمرے کو لپکے۔ جہاں بوا اس کی چوکیداری کو بیٹھی تھیں۔

"ابھی سوئی ہے۔" بوا نے عجب بوکھلاہٹ میں کہا اور کمبل درست کرنے لگیں۔ سارہ انہیں لاش سی زرد لگی۔ وہ دہل دہل کے اسے دیکھتے۔ بار بار اس کے کمرے میں جاتے وہ کپڑوں میں لپٹی ہوتی۔ بوا کی تسبیح گھوم رہی ہوتی۔

"میں اسے کسی ڈاکٹر کے پاس لے جاتا ہوں۔"

"نہیں بیٹا! وہ...... موحد لے جائے گا ناں اپنے دوست کے پاس رات کو۔"

وہ مطمئن نہ ہوتے۔ دو دن بعد وہ کچھ سنبھلی تھی۔ وہ صحن میں اخبار پڑھ رہے تھے کہ آواز آئی......

TAGPK.com

سارہ کے رونے کی۔ چلانے کی۔

''اللہ کرے یہ مر جائے۔ تم مر جاؤ گوہر۔''

وہ دھاڑ کی آواز سے دروازہ کھولتی اور لڑکھڑاتی سیڑھیاں اتر رہی تھی، جمال راجپوت صحن میں نشست سے کھڑے ہوگئے تھے۔ وہ ستون کے پاس کھڑے گوہر کو دیکھ کے زہر اگلتی رہی۔ وہ بے جان نیلا پتلا ہوگیا۔

''تمہیں بہت مان ہے ناں خود پر؟ تمہیں میسر رہی ہر منزل پر عورت، میں تمہاری لاش کو ایسے ہی رگیدنا چاہتی ہوں جیسے تم نے میرے ٹکڑے کیے ہیں۔'' گوہر اتنا تاریک ہوگیا، گویا عدم ہوگیا۔ وہ بے ربط بولتی رہی۔

''اللہ کرے تم مر جاؤ۔ تم ہنستے ہو گے مجھ پر، تم...... تم کافر، ابلیس، تم نے مجھے مال غنیمت سمجھا اور ابا...... ابا میں......'' وہ لہرا کے گری تھی۔

ساکت ہوئے ہر فرد کو ہوش آیا جمال نور راجپوت اس کو سمیٹنے والے پہلے شخص تھے۔ انہوں نے اس کی گردن کے نیچے بازو رکھ کر اسے اٹھانا چاہا مگر۔ ان کی آستین لہو سے بھر گئی۔ ماہ رخ نے بے تحاشا چیخنا شروع کر دیا تھا اور جمال نور نے زمانوں کی ہمت سے اس کے بال اٹھا کے گردن کو دیکھا تھا۔ جگہ جگہ سے بلیڈ سے کٹی گردن۔ اتری پٹیاں، رستے سوراخ، فرحانہ کو غش آ گیا تھا۔ وہ ہسپتال سے گھر آئے تو وہ بولا۔

''میں معافی چاہتا ہوں چچا! مجھے غصہ آ گیا تھا۔ وہ مجھ پر حملہ آور تھی......'' جمال نور نے پے در پے اس کو طمانچے مارے تھے۔

''نکلو یہاں سے، نکل جاؤ'' وہ اسے دھکے دے کر گھر سے نکال رہے تھے۔

''چچا! میری بات......''

''میں ماردوں گا اسے یا خود کو۔ اسے نکال دیں ابا! اس گھر سے میں ورنہ پولیس کو بلاتا ہوں۔'' کمال صاحب لپک لپک کے بھائی کو تھامتے۔

''نکل جاؤ گھر سے۔ ہماری زندگیوں سے۔ آج سے ہمارا ہر رشتہ، ہر رابطہ ختم۔''

کمال صاحب نے حویلی کا دروازہ اس کے منہ پر بند کیا تھا۔ فرحانہ دو ماہ کے لیے سارہ کے ساتھ کراچی اپنے میکے چلی گئیں اور گوہر جیسے ایک باب شرمندگی بن گیا جسے کوئی نہ کھولنا چاہتا تھا۔

☆☆☆

''بخار ہے ناں تمہیں۔ ہسپتال سے چھٹی کرلو۔ کچھ آرام کرو۔''

وہ سیاہ شال لپیٹتی سیڑھیاں اُتر رہی تھی۔ وہ دھند میں تنہا کھڑی پناہ لینے کو آئی مسافرہ دکھتی تھی۔

بڑی امی نے نظریں چرا کر اس سے یہ ہمدردی جتائی تھی۔ جانے وہ اتنی ناانصاف کیوں تھیں کہ اس لڑکی سے زیادہ مظلوم انہیں اپنا جگر پاش لگتا۔ یہ کم ظرفی انہیں سارہ جمال سے نگاہیں کم ہی ملانے دیتی۔

انہیں وہ سب یاد تھا جو قصے کا شاید تیسرا چوتھا رخ تھا۔

''گوہر! تم نے موحد کو کیوں پیٹا بیٹا؟'' وہ گوہر کو ڈپٹتیں۔

''یہ سارو کی جان کیوں نہیں چھوڑتا امی۔'' پندرہ سالہ مضبوط ڈیل ڈول کا لڑکا تن کر پوچھتا۔

''وہ تمہارا بڑا بھائی ہے۔'' وہ یاد دلاتیں۔

''وہ میری بیوی ہے۔'' وہ کچھ نہ بھولتا۔

''بیوی نہیں ہے وہ...... خبردار جو آئندہ سے یہ کہا ہو۔'' وہ اسے دین کی، سماج کی، اخلاق کی...... ہر زبان کی روایت میں سمجھاتیں کہ مشترکہ خاندانی نظام میں شادی ہوجانے تک وہ کس قدر پابند ہے سارہ جمال سے دور رہنے کا۔ وہ مانتا گیا۔

''امی! سارو کیوں رو رہی تھی۔'' وہ دور رہتا۔ مگر باخبر بھی۔

''چھوٹی امی نہیں مان رہیں تو آپ لے دیں ناں اسے وہ ڈریس۔''

وہ ماں کو آگے کر دیتا اور اس کی ہر خواہش پوری کر دیتا۔

وہ یونیورسٹی جاتا۔ جم جاتا۔ رات گئے گھر آتا۔ وہ سارہ کو کم سے کم دیکھ پاتا۔

''یہ کوئی وقت ہے گھر آنے کا؟'' وہ گرجتیں۔

TAGPK.com

"احد اور موحد کی شادیاں ہونے تک تو کوئی اور مصروفت ڈھونڈنی ہی ہے ناں۔" وہ مسکرا کے چائے کا مگ لیے کچن سے باہر نکل جاتا۔

"ہیں، کیا مطلب؟" وہ الجھ کے اس سے پوچھتیں وہ سیڑھیوں سے بائیں طرف سے آتی کھکھلاہٹوں کی طرف آنکھ سے اشارہ کرتا۔

"اتنا بھی فرشتہ مت سمجھیں مجھے۔" شرارت سے کہتا، وہ دوڑ کے سیڑھیاں چڑھتا اور عائشہ کمال کی چپل ریلنگ سے ٹکرا کے گر جاتی۔

"امی یار! سمجھایا کریں ہمارے ہمسائیوں کی جھلی بیٹی کو۔ بڑی ہوگئی وہ۔ ملک صاحب کے پوتوں کو مینڈک پکڑ کے بیچ رہی تھی۔ حد ہے۔"

وہ کتنا لطف لے کے بتاتا۔ انہیں اپنے بیٹے پر رشک آتا۔ یہیں انہیں سارہ جمال پر رشک آتا۔ اور پھر......

"یہ کون لڑکی تمہیں فون کرتی رہتی ہے۔" وہ پوچھتیں۔

"وہ ہے ایک پاگل۔" عائشہ کمال کو بیٹے کی مسکراہٹ فکر میں مبتلا کرتی۔ وہ اسے مصروف سے مصروف دیکھتیں۔

"بڑی امی! مجھے دیں ناں یہ حلوہ۔ آپ کو معلوم ہے ناں، گوہر مجھے کچھ نہیں کہے گا۔" وہ گردن سریا کر کے شازم سے مقابلے کے لیے کہتی۔

"کیوں میں نے تمہیں گود لیا ہے کیا؟" وہ یوں کہتا کچن میں آتا کہ سارہ جمال۔ "آں...... سوری" کہتی بھاگ جاتی اور عائشہ کمال بیٹے کی سنجیدگی اور اکتاہٹ کو دیکھتیں۔

پھر ماہم اور اجالا کی شادی پر...... انہوں نے دیکھ لیا تھا گوہر کے کمرے سے نکلتے وہ دونوں اور جب سیارہ اسے مرنے کی بددعائیں دیتی مرنے کے قریب تھی، انہیں بیٹے کا زرد سے سیاہ پڑتا رنگ سب سمجھا گیا کہ بیٹے کا پول کھل گیا ہے مگر بیٹے نے اس لڑکی کو اتنے زخم دیے کہ وہ چاہ کر بھی اس ظالم کا ساتھ نہیں دے سکیں۔ یہ سب کیسے ہوا، ان کی عقل کو کوئی کڑی نہیں ملتی تھی۔ یہ رشتہ بوگن ویلیا کے پھولوں سے ہلکا نکلا اور اب اس کے ٹکڑے جانے کہاں کہاں بکھرے پھرتے ہیں۔

"چھٹی کر لو۔" وہ چھلنی سے چائے گزارتیں۔

"نہیں بڑی امی! چھٹی کا بخار سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ اپنی مرضی کا مالک ہے۔"

لڑکی نے کمال مہارت سے اپنی بات کہی تھی۔

گوہر پابند نہیں کہ اس کی مرضی کا سوچے۔ بڑی امی نے دروازہ پار کرتی لڑکی کے قدموں میں فیصلہ لپٹتے دیکھا مگر اسے رکتے نہیں دیکھا۔

☆☆☆

وہ مندر والی گلی کو مڑتے کونے پر بنے چبوترے پر بے منزل سی ہوئی بیٹھی تھی۔ اسرار گلی میں خونخوار ہوئے پھرتے۔ اسے دبوچنا چاہتے۔

"کب لگا کہ اس کی غلطی قابل معافی ہے؟" شازم چپکے سے ساتھ آن بیٹھا تھا۔ وہ چپ چاپ اپنے ہاتھوں کی سپیدی میں اترتی لرزش کو دیکھتی، ہولے سے کہتی۔

"کبھی نہیں...... یہ کبھی نہیں لگا کہ معافی ہو سکتی ہے۔ مگر بڑی شدت سے ہمیشہ سے یہ لگا کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ کوئی راہ نہیں۔ اگر ہے بھی تو میرے قدموں کو بددعا ہے تقدیر نامی منزل کی۔" شازم اس لڑکی کے تر گال دیکھتا۔

"اب آگے کیا ہونا چاہیے؟" وہ اس سے رائے مانگتا۔

"گوہر کو ہتھیلیاں بند کرنی ہیں اور بس......" وہ مندر کے گنبد کو دیکھتی۔ شازم خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

☆☆☆

"امی...... امی کہاں ہیں۔" وہ ایم فل کلینکل سائیکالوجی کے آخری سمسٹر میں تھی۔ احد بھائی کے ایک سالہ ابراہیم کو گود میں لیے کھیلتی تھی جب موحد کی پریشان پکاریں اسے متوجہ کر گئیں۔ سب اکٹھے ہوئے۔

"امی! میرے ساتھ چلیں۔ گوہر کو بلٹ لگی ہے آن ڈیوٹی تھا، وہ فوراً چلیں۔" ایک بلٹ سارہ جمال کے دل کو لگی تھی۔ وہ ساکت رہ گئی۔

TAGPK.com

"عائشہ......" پہلوان جی نے کڑاکے دار آواز میں کہا۔ "اسے گھر لے کر آنا۔ ہر حال میں گھر لے کر آنا۔ بہت ہوگیا۔"

نوردین راجپوت نے جمال راجپوت کو فیصلہ سنادیا تھا۔

"ابراہیم...... دعا کرو۔" وہ برستی آنکھوں سے ابراہیم کے سامنے ہاتھ جوڑتی۔

"دعا کرو۔ اللہ میاں پھوپھو کی کوئی بددعا پوری نہ کریں۔ کبھی ایسا نہ کریں۔ کبھی ایسا نہ کریں۔"

اس کا دل پلٹ آیا تھا۔ وہ بھی تین سال بعد حویلی پلٹ کے آیا تھا۔ وہ جو گھر سے نکلا تھا تو نوکریوں کے لیے پے درپے کوششیں کرتا۔ پنجاب پولیس میں انسپکٹر ہوا تھا۔

اس دن وہ ہر اذیت بھول گئی کہ وہ بددعاؤں سے محفوظ تھا۔

"اپنا درد شکرانے کے طور پر بھلاتی ہوں۔ شکر واجب ہے ناں کہ میرے الفاظ مجھ تک واپس نہیں پہنچے۔"

وہ اندرون لاہور کی گلیوں سے آہستہ آہستہ گزرتی۔ وہ ماضی کو پھر سے یاد کرتی۔

☆☆☆

لاہور پہ بادل تن گئے تو سردیوں کے دن مزید تاریک ہوگئے۔ وہ سر پر اتری رات سے بے فکر میٹرو اسٹیشن پر بیٹھی آتے جاتے ہوؤں کو دیکھ رہی تھی۔ اسے ویران کالونی پر اترے بادل یاد آئے تھے۔ وہ روتی کپکپاتی فٹ پاتھ پر بیٹھی گوہر کمال کا انتظار کرتی۔ وہ درد میں مبتلا بھی اس کے حکم کی پابند ہو جیسے۔ وہاں سے نہلنا مت۔ وہ شاپنر سے بلیڈ نکالتی۔ مٹھی میں دباتی۔

"سوچ رہی ہوناں کہ تم کیوں رہیں اتنی وفادار اس ہرجائی کے ساتھ۔" وہ دل کے پہلو میں بیٹھے ابلیس کو دیکھتی۔ وہ ہنستا۔

"میں تو ہمیشہ سے اس محبت کے خلاف تھا۔ اس منحوس رشتے کے خلاف بھی جو ہمیشہ میرے ہاتھ باندھ دیتا۔ ہاں مگر تم چاہتیں تو یہ ہاتھ کھل بھی سکتے تھے مگر تم اپنی بچکانہ محبت محبت والے کھیل سے باہر نکل ہی نہیں سکیں۔ تو بتاؤ میں کیا کرتا؟"

وہ اپنے چہرے کو اس کے انتہائی قریب لے آتا۔ وہ خوف سے شاید مرہی چکی ہوتی۔

"اب دیکھو ہمیں کن حالات میں ملنا پڑرہا ہے۔ میں یہی کہنے یہاں تک آیا ہوں۔ وقت بہت کم ہے۔ تمہاری ہر امید بھی یقیناً دم توڑ چکی ہوگی اس محبت سے۔ دونوں ڈیل کرتے ہیں۔ میں تمہارا ماضی بھول جاؤں گا، تم میرے ساتھ چلو یہیں سے، ابھی سے اور سب کے سامنے......"

"دور رہیں مجھ سے۔" وہ ڈر سے کانپتی دور ہوئی۔ رات سیاہ تر ہوئی۔

"مجھ سے دور رہیں ورنہ میں ماردوں گی آپ کو۔"

بادل ان دونوں سے بے پرواہ رقص شروع کرتے اور ان کے گھنگروں ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے۔ جل تھل کرنے لگے۔ جبکہ وہ کینہ پرور اس لڑکی کا ہتھیار دیکھ کے ہنستا۔ آگے بڑھتا۔ وہ وار کردیتی۔ لڑکے کی کلائی پر لکیر لگتی اور سرخ سیال تیزی سے بارش کے پانی میں مل جاتا۔ وہ قہر سے بھر گیا۔ اس کے ہاتھ سے وہ ننھا ہتھیار چھین کے لڑکی کو دبوچا۔ پے درپے اس کی گردن پر ضرب کے نشان بناتا گیا۔

"مسترد، مسترد...... مسترد" وہ دھاڑا۔ لڑکی کی چیخیں بارش میں بہہ گئیں۔ "آج سے تم مسترد، میری طرف سے بھی ہر طلاق، طلاق، طلاق، طلاق، ہاں مگر ہتھیار چلانا سکھاتا جاؤں گا تمہیں۔" وہ مزید وار کرتا گیا، لڑکی تڑپتی زمین پر گرگئی تھی۔

"یہ تمہاری گردن، جو کبھی خوب صورت لگتی تھی مجھے۔" وہ گھٹنوں کے بل اس کے قریب جھکا بولتا۔

"یہ گردن اگلے بیس منٹ میں دماغ کو خون کی ترسیل بند کرنے والی ہے۔ مگر تم مرنے والی نہیں۔ معذور ہونے والی ہو، دنیا میں میری محبوب ترین ہستی، اور الزام مجھ پر مت دینا، اس نتیجے کا کیونکہ حملہ آور تم تھیں۔ میں تو دفاعی پوزیشن میں تھا۔ خیر وقت بہت کم ہے تمہارے پاس۔ الوداع۔ تم تو کسی کو بتانے لائق بھی نہ رہیں۔"

TAGPK.com

وہ اس کے چہرے پر جھکا تھا۔ وہ بے جان تھی کبھی تھرا کے تڑپتی۔ بارش اس کے چہرے پر نیلا رنگ کرتی رہی۔ پھر ایک جانی پہچانی آواز اس کے سن ہوتے دماغ نے سنی۔ وہ پاگلوں کی طرح اس کے چہرے پر جھکا چیخ رہا تھا۔ اسے گاڑی میں لٹا رہا تھا جب وہ بے جان ہاتھوں سے اس کی جیکٹ پکڑتی۔

"میں...... مرجاؤں...... گی...... وہ...... وہ...... شاہ میر بھائی...... تھے گوہر......"

اور گوہر کمال راجپوت کو طوفان نوح گھسیٹتا جانے کہاں لے گیا۔ اسے اس لڑکی کو مرنے نہیں دینا تھا۔ کبھی نہیں۔

☆☆☆

بارش نے سرد ہواؤں کو سوا کر دیا تھا۔ وہ گردن کے گرد مفلر لپیٹے اس رات میں ہوئی موت کو یاد کرتی رہی۔ پھر اس کے ہاتھوں نے سالوں بعد فون پر ایک نمبر ملایا تھا۔ اور جب اس نمبر کے ملنے کی امید نہ تھی وہ کال اٹھالی گئی۔ ہیلو ہیلو کے جواب میں وہ روتی رہی۔

"مجھے اس شخص کو نہیں چھوڑنا۔ مجھے کوئی ایک امید دے دو بس کہ جس کے سہارے میں زندگی کاٹ سکوں۔ کوئی ایک جملہ، کوئی ایک یاد جو گوہر کمال کی میرے حوالے سے تھی۔ فقط میرے حوالے سے۔"

روحا ظفر نے سانسیں روک لیں۔

"اس کی ہر بات ہر حوالہ تمہارے حوالے سے ہی تھا اور ہمیشہ سے تھا۔" وہ انتہائی شکستہ آواز میں بولی۔

"میرا تو بہترین دوست تھا وہ مگر میری ماما کو جانے کیوں لگا کہ...... مگر تمہیں گھر لانے کا کام زویا نے شاہ میر کے کہنے پر کیا تھا اور جانے کیا کیا بتاتی رہی تھی ماما کو کہ وہ تمہارے ساتھ وہ کرتی گئیں۔ دراصل زویا کو جانے کب شاہ میر پسند آیا۔ کب وہ اس سے رابطے میں رہنے لگی جس رات تمہارے ساتھ امی نے بدسلوکی کی تھی، اس رات گوہر نے چاہا تھا کہ وہ ہمارے گھر کی دہلیزیں اکھاڑ دے۔ تب ڈر کے مارے زویا نے شاہ میر اور اپنا رابطہ بتایا کہ کیسے وہ میری اور گوہر کی تصویریں شاہ میر کو بھیجتی رہی اور امی کو بھڑکاتی رہی ہے۔

امی نے خوف زدہ ہو کے گھر بدل لیا تھا اور میں اس قابل ہی نہ رہی تھی کہ گوہر کا سامنا کر سکوں۔ ہاں مگر میں نے نمبر تبدیل نہیں کیا کہ مجھے خبر تھی تمہیں میری گواہی کی ضرورت پڑے گی۔" فون بند ہو گیا تھا، وہ بند فون کو تادیر تکتی رہی۔

ہر بات کا طمانچہ سارہ جمال کے منہ پر آن پڑا تھا۔ وہ سڑکوں پر وحشت زدہ چلتی رہی۔ اسے یاد نہ رہا کہ اسے سواری میسر ہو سکتی ہے۔

اسے یاد نہ رہا کہ وہ ایک گھر بھی رکھتی ہے اور اس میں لوٹ کر بھی جانا ضروری ہوتا ہے وہ شاہی قلعے کی اونچی فصیلوں کے سائے تلے چلتی۔ وہ منٹو پارک کے فوارے دیکھتی۔ بادشاہی مسجد کے گنبدوں سے اٹھتی اذانوں کی آواز سنتی۔ وہ منزل کو ڈھونڈتی چلتی جاتی تھی۔

☆☆☆

"بی بی! کیا کام ہے کب سے ایسے بیٹھی ہیں۔ فون چھن گیا کیا؟" وہ پولیس والا اکتا کے سر پر کھڑا پوچھتا وہ بینچ پر سر نہوڑائے پولیس اسٹیشن میں بیٹھی تھی۔

"بوائے فرینڈ رقم لے کر بھاگ گیا کیا؟" وہ جدید شکوک کے مطابق پوچھتے۔

اور جب وہ مستعد ہو کر سیلوٹ کرتے۔ سر کے بوٹ دیکھتی وہ سر اٹھا کے سر کو دیکھتی۔ وہ جو خالی نظروں سے اسے دیکھتا تھا۔

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ سوجی آنکھوں میں سے مزید پانی رسنے لگا۔ رکا ہوا دریا رواں ہو گیا۔

"پلیز، گھر چلتے ہیں۔" وہ ہچکیاں لینے لگی۔ سپاہی حیران۔

"اب بس کرو پلیز، آؤ گھر چلتے ہیں۔"

"تم کیا کر رہی ہو یہاں۔" وہ تھکن زدہ بولا اور آگے بڑھا۔

"آئی ایم سوری ایکسٹریملی سوری۔"

وہ اس کی کلائی تھامتا اسے لے کر باہر نکلا۔ وہ کھنچتی گئی۔ روتی گئی۔ بولتی گئی۔

"مجھے غصہ تھا مگر انجان تھی کہ سب تمہیں قصور

TAGPK.com

وار سمجھیں گے۔ سچ میں مجھے لگا، تم نے سب کو بتا دیا ہوگا کہ وہ شاہ میر بھائی تھے......"

وہ بول رہی تھی اور وہ شاہ میر کو سن رہا تھا وہ جو اپنے دوست کے گھر مقیم تھا۔ ایئر پورٹ کے لیے نکلنے والا تھا۔ گوہر نے اسے ڈھونڈ نکالا تھا۔

"میں نے اسے مارا نہیں، دخمہ (پارسی رسم کے مطابق مردے کو ایک عمارت میں چیل کوؤں کے لیے چھوڑ آنا) کیا ہے۔" گوہر اسے مار دینا چاہتا مگر وہ بولتا۔

"وہ بھی تم پر یقین نہیں کرے گی اور تم......تم تو قبر تک جا کے بھی ذلیل ہی رہو گے۔ لوگوں کو میرا بتاؤ گے تو اس کی گردن پر نظر پڑتے ہی لوگوں کو میں یاد آؤں گا۔ اور یہ جہنم کی کھائیوں جیسا ہے کہ آپ کی بیوی کو دیکھتے لوگ کسی دوسرے مرد کو یاد کریں گے۔"

وہ ہونٹوں سے لہو پونچھتا بولتا تھا۔

"اور اگر نہیں بتاتے تو...... مجرم ہونے میں فقط لمحے لگیں گے۔ اور مجھے یہ سب سوچنا بھی نہیں پڑا۔ میں تو آخر لمحوں تک اسے ساتھ لے جانے کی کوششوں میں تھا۔ یہ سب اس نے خود کروایا مجھ سے۔"

"تمہیں شرم نہیں آئی وہ ہمارے گھر کی عزت ہے اور۔" گوہر دھاڑتا۔

"ہمارے نہیں تمہارے فقط تمہارے گھر کی عزت ہے وہ۔ اس پر تمہارا کا ٹھپہ لگا ہے۔"

وہ ہذیان بکتا۔ گوہر کو وہ رات کبھی نہ بھولتی۔

"مجھ سے زیادہ اسے کوئی نہیں چاہ سکتا اور یہ سچ ہے۔" وہ پلٹتے ہوئے گوہر کو سناتا۔

"مجھے اسے فقط چاہنے کی چاہ بھی نہیں۔ میں نے رشتہ بنایا نہیں، رشتہ پالا ہے۔ تم نے اس کے ساتھ جینا تھا اور مجھے اسے جینا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔"

وہ سوچ کے پلٹا تھا کہ اگر سارہ جمال پر اس کا ٹھپہ لگا ہے تو وہ کسی اور کا ٹھپہ نہیں لگنے دے گا۔ وہ چچا کے سامنے گردن جھکا گیا تھا۔ وہی سارہ جمال بے تحاشا رو رہی تھی۔

"مجھ سے غلطی ہوگئی ناں۔ پلیز گھر چلو۔" وہ اسے سرکاری رہائش گاہ کے گیٹ سے اندر کرتا۔ وہ بولتی جا رہی تھی۔

"اب بتاؤ۔ کیا کروں؟" وہ ہار کے پوچھتا۔

"تم......تم مجھے ہتھیلیوں میں پھر سے قید کر لو پلیز اور انہیں کبھی مت کھولنا۔ جمال نور راجپوت کے کہنے پر بھی نہیں۔ سارہ جمال کے کہنے پر بھی نہیں۔" کیسے روئی تھی۔

"اور کچھ......؟" وہ اپنی ہتھیلی اس کی ہتیلی پر رکھتا مسکرایا۔ لیمپ پوسٹ کے گرد جگنو اڑنے لگتے۔ وہ بے دھڑک کہنے لگی۔ وہ اس کے آنسو پونچھتا۔

"مجھے تمہارے ساتھ ہمیشہ خوش رہنا ہے۔" وہ پھر سے اپنی ہتیلی اس کی ہتھیلی سے جوڑتی۔ "مجھے ہر ہر روز تمہیں بتانا ہے کہ آج میں ہاسپٹل میں تھک گئی۔ میرا فلاں سے جھگڑا ہوگیا۔ مجھے فلاں برانڈ کی ہائی ہیلز سینڈل چاہئیں، ہی چاہئیں۔ تم مجھے گھمانے نہیں لے کے گئے۔ تمہارے فون میں فلاں نمبر کس کا ہے تم......"

گزرتے بادل مسکرائے تھے کہ وہ مرد بے بسی سے اپنی ہتھیلی دیکھتا جس پر قبضہ ہوگیا تھا۔ وہ فون ملا رہا تھا۔ وہ بولتی رہی۔

"اسے آ کر لے جاؤ یار! کب سے لان میں لیے کھڑا ہوں۔" اس نے شازم سے کہا۔

"اندر نہیں لے جا سکتا ناں، اب اتنا بھی فرشتہ مت سمجھو مجھے۔"

اس نے آواز دبا کے کہا۔ سارہ جمال نے فوراً اس کی ہتھیلی چھوڑی۔ ہنس کے اسے گیٹ سے باہر دھکیلا جہاں شازم کھڑا تھا۔ جو شاید یہیں کہیں تھا۔ وہ چلنے لگی تو آواز دی۔

"سنو! اپنے ابا کو منا کے رکھنا۔" وہ مسکرائی تھی۔

"وہ تو ہیرو خود کرتا ہے ناں۔" وہ آنکھیں پونچھتی بولی تھی۔

"یعنی پوری کہانی میں میرا رول صرف ذلیل ہونے کا ہے۔" چڑ کے کہا۔

دل سے ہنستی وہ لڑکی پوری کہانی کی لڑکی سے زیادہ کہیں زیادہ زندہ معلوم ہوئی تھی۔

☆

TAGPK.com